VOL. [illegible] No. 2 [illegible]

The
CHINGARI
WEEKLY DELHI

چنگاری

"برطانوی طیارہ شکن توپ طیاروں کی سماء پر جرمن
جہازوں کو شکار کرنے کے لئے بیتاب ہیں"

قیمت فی پرچہ دو آنہ

لندن میں ہندوستانی سپاہی برطانوی سپاہیوں
دوش بدوش ہیں

ہوائی حملے سے بچاؤ کے سلسلہ میں روس اور
برطانیہ کا تعاون
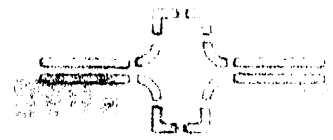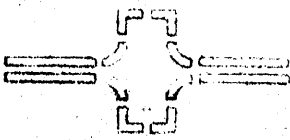
میرا ''میری دنیا'' میں۔

فلم ''زمیندار'' میں شانتا آپٹے۔

فکر و منظر

خیام الہند حضرت حیدر دہلوی

وقفِ الفت ہو بڑے کار آئے دل کرے
آدمی کچھ تو حقوقِ زندگی حاصل کرے

وہ نگاہِ ناز مجھ کو بستۂ مشکل کرے
جو بیک گردش مہِ نو کو مہِ کامل کرے

دل کو کیا کیا حسرتیں ہیں قربِ حسنِ دوست کی
پہلے یہ دیوانہ اپنا قرب تو حاصل کرے

دین و دنیا سے ہوئے بیگانہ ہم۔ اچھا ہوا
آرزوئے دید سے بھی اب خدا غافل کرے

میں توجہ بھی کروں تو رُخ زمانہ پھیر لے
وہ تغافل بھی کرے تو دید کے قابل کرے

رازِ فطرت تو یونہی ہوتے ہیں اکثر آشکار
عقدۂ مشکل کو انساں اور بھی مشکل کرے

دل کے ہاتھوں میری بربادی ہے عبرت کا مقام
شائد آئندہ نہ کوئی آرزوئے دل کرے

سجدۂ شکرانہ سب کچھ ہے سمجھنے کے لئے
کون منزل پر پہنچ کر شکوۂ منزل کرے

جان پر تو بن رہی ہے اشتیاقِ دید میں
اور کیا مجبورِ فطرت سے زیاں دل کرے

امتیازِ نیک و بد ہی بیخودی نے کھو دیا
جس کو فرصت حال سے ہو فکرِ مستقبل کرے

کس لئے حیدر مری شاہد پرستی ناگوار
میری وہ دنیا نہیں جو دین سے غافل کرے

روس میں کیا کچھ نہیں ؟

"مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام دنیا کی صنعتی اور معدنی پیداوار میں روس کا حصہ کتنا ہے اور وہ دوسرے ممالک میں کیا پوزیشن رکھتا ہے"

معدنیات

اشیاء	نکاسی میٹری ٹن	ساری دنیا میں تناسب	درجہ
پیٹرولیم (۱۹۳۹)	۲۹،۵۳۰،۰۰۰	۱۰،۶	دوسرا
کوئلہ	۱۳۲،۸۸۸،۰۰۰	۱۰،۹	چوتھا
کچا لوہا	۱۴،۰۶۰،۰۰۰	۱۹،۵	پہلا (امریکہ کے ساتھ)
باکسائٹ (کچا)	۲۵۰،۰۰۰	۶،۱	آٹھواں
کرومیم (۱۹۳۷)	۹۰،۰۰۰	۱۷،۲	تیسرا
تانبا	۹۸،۰۰۰	۴،۸	چھٹا
سونا	—	۱۲،۵	تیسرا
سیسا	۶۹،۰۰۰	۳،۹	آٹھواں
مینگنیز	۱،۰۵۰،۰۰۰	۴۱،۳	پہلا
پارہ (۱۹۳۴)	۲۶۸،۰۰۰	۵،۲	پانچواں
نکل	۲،۵۰۰	۲،۳	تیسرا
جستہ	۷۰،۰۰۰	۳،۷	ساتواں
ایسبسٹوس (۱۹۳۶)	۱۲۵،۰۰۰	—	—
فاسفیٹ	۲،۳۰۳،۰۰۰	۱۵،۸	دوسرا
پوٹاشش	۱۲۲،۰۰۰	۴،۱	چوتھا

بُننے کا سامان

اشیاء	نکاسی میٹری ٹن	ساری دنیا میں تناسب	درجہ
روئی (۱۹۳۹)	۸۸۰،۰۰۰	۱۳،۵	تیسرا
کتان (۱۹۳۹)	۶۳۲،۰۰۰	۶۸،۰	پہلا
سن (۱۹۳۹)	۱۱۰۰۰۰۰	۲۹،۳	″

اشیاء	نکاسی (میٹری ٹن)	ساری دنیا میں تناسب	درجہ
ریشم (خام)	۱،۸۰۰	۶،۳	چوتھا
اون	۱۳۷،۰۰۰	۷،۶	پانچواں

تیل نکالنے والی اشیاء

اشیاء	نکاسی (میٹری ٹن)	ساری دنیا میں تناسب	درجہ
بنولا (۱۹۳۹)	۱،۹۰۰،۰۰۰	۱۴،۵	تیسرا
السی	۷۵۰،۰۰۰	۲۳،۱	دوسرا
تل	۹،۰۰۰	۱،۴	آٹھواں
سویا کی پھلیاں (۱۹۳۷)	۱۰۰،۰۰۰	۱،۳	چھٹا

غلہ اور دیگر سامان خوردنی

اشیاء	نکاسی (میٹری ٹن)	ساری دنیا میں تناسب	درجہ
جو	۸،۲۰۰،۰۰۰	۱۹،۲	پہلا
مکھن	۱۹۸،۰۰۰	—	—
جوار	۲،۷۹۰،۰۰۰	۲،۳	چھٹا (ہنگری کے ساتھ)
گوشت	۲،۳۰۲،۰۰۰	—	—
جئی	۱۶،۹۹۰،۰۰۰	۲۵،۲	پہلا
رائی	۲۰،۹۳۰،۰۰۰	۴۳،۴	″
موٹا چاول	۳۱۷،۰۰۰	،۳	انیسواں
چائے (۱۹۳۹)	۱۱،۰۰۰	۱،۸	ساتواں (چین کو نکال کر)
شکر (چقندر کی - ۱۹۳۹)	۲،۴۰۰،۰۰۰	۲۳،۰	پہلا
تمباکو (۱۹۳۶)	۲۷۶،۰۰۰	۱۱،۹	تیسرا
گیہوں	۴۰،۸۸۰۰۰۰	۲۵،۰	پہلا

ہفت روزہ
چنگاری دہلی
ایڈیٹر — عبداللہ شمیم
جلد ۱ | مورخہ ۲۷ر اپریل سنہ ۴۲ء | نمبر ۲

مسٹر فضل الحق کے طلسمِ قیادت کی شکست

مسٹر فضل الحق کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بدترین جذباتی قسم کے بزرگ ہیں اور جب اُن پر جذبات کا شدید دورہ پڑ جاتا ہے تو انھیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں یا کیا کہہ رہے ہیں۔ کانگریس کا پوزیشن کے سوال پر آنجہانی سنر سین گپتا سے بعض اختلافات کی بنا پر آپ نے کانگریس سے علیحدہ ہوکر کرشک پرجا پارٹی کی بنیاد ڈال دی اسی کے ٹکٹ پر گزشتہ عام انتخابات میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ پر اس وقت عتاب نازل تھا اور اس کے امیدوار کا مقابلہ کیا۔ لیکن جب بنگال میں مسلم لیگ کا اقتدار بحال ہونے لگا تو آپ "دیر آید درست آید" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کرشک پرجا پارٹی کو بغل میں دبائے ہوئے مسلم لیگ کی زنجیر میں منسلک ہوگئے۔ مسلمانوں کی صاف دل قوم نے مسٹر فضل الحق کے خلوص پر پورا اعتماد کرتے ہوئے ان کی راہ میں آنکھیں فرش کر دیں۔ ان پر عقیدت و محبت کی گلباریاں کیں۔ کوئی ایسی عزت نہ تھی جو مسٹر فضل الحق کے حصول پر نہ کی گئی ہو اور کوئی اکرام ایسا نہ تھا جس کا نذرانہ ان کے حضور پیش نہ کیا گیا ہو۔ مسٹر فضل الحق جس مقام پر بھی تشریف لے جاتے تھے والہانہ عقیدت کا بے پناہ جذبہ ہزاروں مسلمانوں کو ان کے استقبال کے لئے کشاں کشاں لے آتا تھا۔ باوجودیکہ اسی دوران میں مسٹر فضل الحق پر کئی مرتبہ جذبات کا افسوسناک دورہ پڑا اور وہ ایسے الفاظ زبان سے نکال بیٹھے جو مسلم لیگ اور مسلمانوں کے وقار و مفاد کے لئے مضر تھے۔ لیکن مسلمانوں نے چشم پوشی کی اور اُن کے لئے "شیر بنگال" کا خطاب مسلّم ہوگیا۔

مسلمانوں کی جانب سے عزت و احترام کی یہی وہ بے پناہ بارش تھی جس سے "شیر بنگال" کا دماغی توازن مختل ہوگیا۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ اُن کی عزت مسلم لیگ کی شرمندۂ احسان نہیں۔ مسلمان ان پر عقیدت و محبت کے پھول یہ سمجھ کر نہیں برسانے کہ وہ مسلم لیگ کے ایک وفادار سپاہی ہیں بلکہ اس لئے کہ مسٹر فضل الحق ذاتی طور پر عزت و اکرام کے مستحق ہیں اور ان کی پوزیشن مسٹر محمد علی جناح سے کم نہیں ہے۔ مسٹر فضل الحق کا وہ سودائے خام تھا جس کی پہلی نمود اس وقت ہوئی جب انھوں نے مسلم لیگ سے استصواب رائے کئے بغیر ڈیفنس کونسل کی ممبری بالا ہی بالا قبول کرلی اور جب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے ان سے استعفے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے تعمیل حکم کے بجائے نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے نام ایک اشتعال انگیز خط لکھ کر مسٹر محمد علی جناح پر افسوسناک حملے کیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی سے ساتھ کشمکش اس زمانہ میں بھی مسٹر فضل الحق ایک حد تک مسلم لیگ سے مصالحت کی قریب امید کوشش کرتے رہے۔ لیکن دوسری جانب اُنھوں نے بنگال پراونشل مسلم لیگ کے صدر رہ کر بھی بنگال کی مسلم لیگ پارٹی کو توڑا اور اپنی مسلم لیگی وزارت کو ایوان حکومت سے نکالنے کے لیے ایک نئی پارٹی بنا ڈالی۔ وہ مسلم لیگ سے خارج کیے گئے اور دنیا نے اپنی متحیر نگاہوں سے دیکھ لیا کہ وہی مسٹر فضل الحق جو ہندوؤں کے شدید ترین مخالف ہونے کے دعوے کرتے تھے۔ وہی مسٹر فضل الحق جو علی الاعلان فرماتے تھے کہ اگر اقلیت کے صوبوں میں کسی مسلمان کے ساتھ بے انصافی روا رکھی تو میں اس کا انتقام بنگال کے ہندوؤں سے لوں گا وہی مسٹر فضل الحق جنھوں نے سی پی کی کانگریس منسٹری کے خلاف پر جوش رپورٹ لکھ کر ہندوستان میں تہلکہ برپا کردیا تھا اور وہی مسٹر فضل الحق جن کا مقولہ تھا کہ کانگریس اور ہندو مہا سبھا کے ساتھ صلح کا تخیل بھی بدترین معصیت ہے۔ آج ہندوؤں کی بدترین فرقہ پرست جماعت آل انڈیا ہندو مہا سبھا کی آغوش میں بیٹھ گئے اور اس کے قائم مقام صدر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کے اشتراک سے انھوں نے بنگال کی مسلم لیگ منسٹری کو فنا کرکے اپنی نئی منسٹری قائم کی۔

یہ افسوسناک اور گمراہ کن روش اختیار کرلینے کے بعد بھی مسٹر فضل الحق اس خیال خام میں مبتلا رہے کہ مسلمانوں کے قلوب آج بھی ان کی زنجیر محبت میں جکڑے ہوئے ہیں اور آج بھی انھیں اپنا قابل تعظیم رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مسلم لیگ کے دعوائے نمائندگی کو چیلنج کیا اور مسلمانان بنگال کو صوبہ پرستی کی سولہویں صدی غیر اسلامی تعلیم دیتے ہوئے صاف الفاظ میں بارہا فرمایا کہ مسلمانان بنگال کا واحد نمائندہ میں ہوں اور مسٹر جناح جو ایک غیر صوبہ کے لیڈر ہیں انھیں مسلمانان بنگال کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ بنگال کے عام مسلمانوں نے مسٹر فضل الحق کی ان افسوسناک حرکتوں کے خلاف پرزور آواز بلند کی۔ جابجا عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ عظیم الشان جلوس میں اعلان کیا گیا کہ مسٹر فضل الحق کو مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ بنگال کے گوشہ گوشہ میں مسٹر فضل الحق جہاں کہیں بھی گئے واپس جاؤ کے نعروں اور سیاہ جھنڈیوں سے ان کا استقبال کیا گیا لیکن مسٹر فضل الحق کے حواس اب بھی درست نہ ہوئے اور وہ اپنے نئے مہا سبھائی دوستوں سے یہی کہتے رہے کہ مسلمانان بنگال تمام و کمال ان کے ساتھ ہیں اور مخالفانہ پروپیگنڈا محض مٹھی بھر شورش پسند مسلم لیگیوں کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ لیکن مسٹر فضل الحق کی ان جھوٹی تسلیوں کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا تھا اور قدرت کو یہی منظور تھا کہ حقیقت بے نقاب ہوکر دنیا کے سامنے آجائے۔ چنانچہ ناٹور کے علاقے سے بنگال اسمبلی میں ایک نشست خالی ہوئی اور قدرت نے مسلمانان بنگال کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے مسٹر فضل الحق کو موقع دے دیا کہ وہ میدان میں آئیں اور اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں۔

مسلم لیگ کہتی تھی کہ بنگال کے عام مسلمان اپنی قومی جماعت کے ساتھ ہیں مگر مسٹر فضل الحق کہتے تھے کہ نہیں وہ میرے ساتھ ہیں۔ ناٹور میں اسمبلی کا ضمنی الیکشن ہوا اور دنیا نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھ لیا کہ وزیر اعظم بنگال کی تمام سرگرم کوششوں کے باوجود ان کے امیدوار کو مسلم لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں دس ہزار ووٹوں کی عدیم النظیر کثرت سے شکست فاش ہوئی اور ان کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی۔ بنگال اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں مسلم لیگ کی یہ عظیم الشان تاریخی فتح مسٹر فضل الحق کے طلسم قیادت کی شکست ہے جس پر ہم قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اگر مسٹر فضل الحق میں غیرت و خودداری کا شائبہ بھی ہو تو ان کا فرض ہے کہ بنگال کی وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوجائیں کیونکہ ناٹور الکشن کے نتائج سے ثابت ہوگیا کہ صوبہ کی اکثریت کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔

ہٹلر کی تقریر

ہٹلر کی موجودہ تقریر کئی لحاظ سے اس کی پچھلی تقاریر کے مقابلہ میں خصوصیت رکھتی ہے۔ اس نے جرمن عوام کی مشکلات کا واحد حل جنگ کو بتایا اور اب وہ انگلستان کو اس کا مورد الزام قرار دیتا ہے۔ ہمیں اس بات سے یہ اندازہ ضرور ہوسکتا ہے کہ جو سبز باغ ہٹلر نے جرمن عوام کو دکھائے تھے وہ ان کے لئے ثمر آور نہ ہوسکے تین سال سے انھیں ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑ رہی ہیں اور آج بھی ان کے سامنے تاریک مستقبل ہے۔ ہٹلر نے یہودیت اور بالشوزم کے خلاف زہر اُگل کر جرمن عوام میں پھر ایک نئی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ نعرے اس قدر بوسیدہ اور پرانے ہیں اور اتنی بار دہرائے گئے ہیں کہ اب ان میں جرمن عوام کے لئے کوئی کشش باقی نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ جرمنی میں پروپیگنڈے کے جملہ ذرائع حکومت کے ہاتھ میں ہیں۔ عوام کو جرمنی کے باہر کی دنیا کا کچھ علم نہیں ہے انھیں جو بات بتائی جاتی ہے اسی کو وہ صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر اس طرح کتنی مدت تک انھیں خیالات کی دنیا میں محبوس رکھا جاسکتا ہے؟ — غالباً اسی وجہ سے ہٹلر نے مستقبل کے متعلق کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا۔ اس نے نہ تو موسم بہار کے حملہ کی طرف اشارہ کیا اور آئندہ تیاریوں کے

متعلق تفصیلات بیان کیں۔ دمال روس تین پہ در پہ شکستوں اور کثیر نقصانات اٹھانے کے بعد اس کی اب ہمت نہیں ہوتی کہ وہ پہلے کی طرح یہ دعویٰ کرتا کہ اتنے عرصہ میں وہ روس پر قابض ہو جائے گا۔ ابھی تک تو اس کا مقابلہ مغربی سرمایہ دار ممالک سے تھا جہاں کے عوام خود وہاں کے نظام اور حکومتوں سے بیزار تھے۔ روس میں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں مزدوروں اور کسانوں کی حکومت ہے وہ اپنے نظام اور سرزمین کو بچانے کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہادیں گے۔ ہٹلر اب اس فرق کو سمجھتا ہے اسی لئے بالشویزم کے خلاف یورپ کے تمام عناصر کو متحد کر کے وہ مزدوروں کی جمہوریت کو تباہ کرنا چاہتا ہے لیکن دنیا کی اصلاح مغربی ممالک کا وہ سرمایہ دار طبقہ ہٹلر کا ساتھ دیدے جو اس کے زیر اثر ہے مگر دنیا کے آزادی اور ترقی چاہنے والے عوام ہر صورت میں دنیا کو فسطائیت کی لعنت سے پاک کرنا پسند کریں گے۔

راجہ جی کی تجاویز

سرکرپس کے مشن کی ناکامیابی کے بعد ہندوستان کی سیاسی فضا بجائے صاف ہونے کے مکدر نظر آتی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے وہ بنیادی اختلافات جو پہلے صرف لفظی یا کاغذی نوعیت رکھتے تھے، اب نمایاں طور پر منظر عام پر آگئے ہیں۔ ہر سیاسی جماعت اپنی عزت اور وقار کو ملک کی آزادی کے مقابلہ میں ترجیح دے رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بیرونی خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کی بندرگاہوں پر ہوائی حملے ہو چکے ہیں اور ساحلوں کا کوئی حصہ جاپان کے حملوں سے محفوظ نہیں ہے۔

اس طرح ایک طرف تو اندرونی اختلافات اور دوسری جانب بیرونی خطرات، ہندوستان کے سامنے ایسے نازک مسائل پیش کر رہے ہیں جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

ان حالات میں مسٹر راج گوپال آچاریہ سابق وزیر اعظم مدراس نے دو تجاویز پیش کر کے ہندوستان کے سیاسی جمود دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی تجویز میں مسلم لیگ کے بنیادی مطالبہ کو تسلیم کیا گیا ہے تاکہ ہندوستان کی قومی حکومت میں مسلم لیگ کو شامل کیا جا سکے اور ہندوستان کی مدافعت کا صحیح طور پر بندوبست ہو سکے۔ دوسری تجویز کے ذریعے صوبہ مدراس کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے مشترکہ وزارت قائم کرنے کی اجازت حاصل کی گئی ہے جس میں تمام اہم سیاسی جماعتیں اور پارٹیاں کانگریس کے ساتھ شریک ہو سکیں۔ مسٹر راجگوپال آچاریہ کا یہ اقدام نہایت جری اور دور اندیشی پر مبنی ہے۔ ہم ان کی تجاویز کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ساتھ ہی ہمیں امید ہے کہ ملک کی ذمہ دار جماعتیں بھی راجہ جی کی ان تجاویز کی تائید کریں گی۔ خاص کر مسلم لیگ اور کانگریس کو اس موقع سے فائدہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

ان تجاویز پر بعض حلقوں میں جو غلط تاثرات پیدا ہوئے ہیں جو لوگ "متحدہ ہندوستان" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ محض اپنی تخریبی ذہنیت سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ افراد جو کانگریس کے بنیادی اصولوں کی آڑ لے کر تجاویز مذکورہ کی مخالفت کر رہے ہیں ان کا یہ طرز عمل بھی روشن خیالی کے منافی ہے۔ ساتھ ہی ہم مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی خاموشی سے ایسے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیں جو ہندو مسلم اتحاد دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں چاہئے کہ وہ ان تجاویز کا خیر مقدم کریں تاکہ ان کے جماعتی مطالبہ کو تسلیم کیا جا سکے اور وہ دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کی مدافعت کیلئے جد و جہد

کرسکیں۔

فسطائی بربریت

روس کے وزیر خارجہ ایم۔ مولوٹوف نے ان تمام ممالک کے سفیروں کو ایک نوٹ بھیجا ہے جن سے روس کے ڈپلومیٹک روابط قائم ہیں۔ اس نوٹ میں انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ نازی جرمنوں نے روس کے مقبوضہ علاقوں میں منظم طریقہ پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ جرمنی ہائی کمان نے نازی سپاہیوں کو باقاعدہ احکامات پہنچائے تھے کہ وہ مزدوروں کی سرزمین کو دوزخ کا نمونہ بنا دیں۔ احکامات میں خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی تھی کہ مقبوضہ علاقوں میں غارتگری اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا جائے۔ مواضعات بالکل تباہ کر دیئے جائیں۔ زمینیں کسانوں سے چھین کر جرمن غاصبوں کو دے دی جائیں۔ روسیوں سے زبردستی بلا اجرت کام لیا جائے۔ روسی شہریوں کو جنگی قیدیوں کی حیثیت سے جرمنی روانہ کیا جائے۔ روسی تمدن کو ختم کر دیا جائے۔ روسی چھاپہ مار دستوں کی سرگرمیاں اس طرح سے ختم کی جائیں کہ شہریوں پر سخت ترین مظالم کئے جائیں تاکہ عوام خائف ہو کر چھاپہ مار دستوں میں شامل نہ ہوں۔

یہ ہیں خونی کارنامے جرمنوں کے! جرمنی کا ساتھی جاپان بھی اس کے مقابلہ میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ چین میں اس کے انسانیت سوز مظالم آئندہ نسلوں کو درس عبرت دیتے رہیں گے۔ چین جاپان کا پڑوسی ہے۔ جاپان نے چین سے تہذیب اور تمدن حاصل کیا ہے۔ اس کا بدلہ اس نے اس طرح دیا کہ پانچ سال سے چین کو مصیبتوں کا شکار بنا رہا ہے۔ ہوائی حملوں کے علاوہ غارتگری، لوٹ مار، عصمت دری، جاپان کے سیاہ کارناموں کی فہرست میں شامل ہیں۔

آج ہندوستان کے دروازہ پر بھی جاپان دستک دے رہا ہے۔ وہ ہندوستان کو چین کی طرح اپنی ہوسناکی کا شکار بنانا چاہتا ہے۔ وہ ہندوستانیوں کے سامنے بھی ان جھوٹے وعدوں کو پیش کر رہا ہے جو اس نے چین کو پیش کئے تھے۔ کیا ہندوستان کے لیئے نازی جرمنی کے مظالم اور جاپان کی چین میں طولانی داستان سبق حاصل کرنے کے لیئے کافی نہیں ہیں؟ ہم اپنے ہندوستانی بھائیوں سے صرف یہی سوال دریافت کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

کرپس مشن کے بعد

کرپس مشن ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ابھی تک برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان سمجھوتہ کے لئے جو مشن آئے، ان کا ہندوستان میں اتنا پر جوش خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ ہندوستان کا بنیادی مطالبہ (یعنی مکمل آزادی) پورا نہیں کرتے تھے۔ سائمن کمیشن کا جو حال ہندوستان میں ہوا وہ ساری دنیا کے علم میں ہے۔ آج حالات مختلف ہیں۔ دنیا اس وقت دو گروہوں میں ایک کی کامیابی اور دوسرے کی شکست پر منحصر ہے۔ اس کے علاوہ خود ہندوستان بیرونی خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ ان حالات میں ہندوستان خود چاہتا ہے کہ برطانوی سامراج کی گذشتہ سیاہ کاریوں پر پردہ پوشی کر کے، اپنی مدافعت کے لئے اور دنیا کو فسطائیت کی لعنت سے بچانے کے لیئے تعاون کا ہاتھ بڑھائے چنانچہ انھیں حالات کے پیش نظر کرپس مشن کا ہندوستان میں خیر مقدم کیا گیا۔ برطانوی جنگی کابینہ کی تجاویز کے سلسلہ میں جو گفت و شنید ہوئی وہ قارئین کرام کے سامنے ہے۔ مشن کی ناکامیابی کے بعد ہندوستان کے مختلف سیاسی حلقوں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں مگر ہم سرکرپس کے تاثرات کے منتظر تھے جن سے ہمیں حکومت برطانیہ کی نیت اور مقاصد کا صحیح اندازہ ہو سکتا۔ سرکرپس نے دارالعوام میں اپنے مشن کے بارے میں ایک تفصیلی بیان دیا ہے۔ اس کا پس منظر پیش کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ ہندوستان کا مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ تمام دنیا کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ ہندوستان، انگلستان اور امریکہ کے ذمہ دار افراد ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے زور ڈال رہے تھے اگرچہ برطانیہ کی گذشتہ پالیسی نے انگلستان اور ہندوستان کے روابط میں کشیدگی پیدا کر دی ہے۔ مگر اس کے باوجود سرکرپس نے مشن کی ذمہ داری خود اپنے ہاتھ میں لی۔ انھوں نے مشن کی ناکامیابی کی تین وجوہات بتائی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہوئی کہ ہندوستان سے بیرونی خطرات اس قدر قریب آگئے تھے کہ ایسے موقع پر چند اہم مسائل پر تفصیلی بحث کرنا مشکل تھا۔ دوسرا سبب مشرق بعید کے واقعات اور محوری طاقتوں کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے ہندوستان میں مجبوری اور برطانیہ کے خلاف جذبات تھے آخری اور تیسری وجہ ہندوستان کے اندرونی اختلافات تھے جن کی وجہ سے ہندوستان کی سیاسی جماعتیں متحد ہو کر کوئی ایک حل پیش نہ کرسکیں۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ سرکرپس نے مشن کے سلسلہ گفت و شنید کے منقطع ہو جانے کے اسباب، برطانوی نوکر شاہی کے نقطۂ نظر سے بیان کئے۔ وہ ہندوستان، برطانوی جنگی کابینہ کے وکیل کی حیثیت سے ہی آئے تھے۔ اس لیئے انھیں گفت و شنید کے منقطع ہو جانے کے اسباب میں انگلستان کے نوکر شاہی کے کارناموں کو بھی شامل کرنا چاہیئے تھا۔ اصل ہندوستان کے مطالبات قومی حکومت اور محکمۂ دفاع پر ہندوستانیوں کا تسلط تھے۔ تجاویز میں صرف مستقبل کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو جنگ ختم ہونے کے بعد آزادی دیدی جائے گی۔ حکومت ہند کی موجودہ مشینری سے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا گیا تھا۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ

آہ سر عبداللہ ہارون

کراچی سے یہ غمناک خبر آئی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی اور سنٹرل اسمبلی کے ممبر پراونشل مسلم لیگ سندھ کے صدر اور مسلمانوں کے مقتدر رہنما سر عبداللہ ہارون قلب کی حرکت بند ہو جانے سے ۲۶ اپریل کی شب کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم پر جوش قومی خادم اور ملت اسلامیہ کے لائق فرزند تھے۔ ہر مسلم تحریک میں پورے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ سب کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ان میں صلاحیت تھی۔ وہ مسلمانوں کی تجارتی بہبودگی کے خواہشمند تھے۔ خوش اخلاقی اور برابر کا برتاؤ ان کی طبیعت کا خاص جوہر تھا۔ افسوس ہے کہ اس پرآشوب دور میں ایک محبوب رہنما ہم سے جدا ہو گیا ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

امریکی صنعتی مشن

برطانوی سامراج نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ ہندوستان کو صنعتی ملک بنائے۔ آج جبکہ اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور چاروں طرف سے خطرات سے گھرا ہوا ہے، وہ اپنی پرانی پالیسی پر پچھتا رہا ہے۔ اس کی ناعاقبت اندیش پالیسی نے ہندوستان کو مفلس اور نہتا رکھا۔ اس وقت ہندوستان بھی بیرونی خطرات کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔ مگر اب حالات کچھ اس قسم کے پیدا ہوگئے ہیں کہ برطانیہ اپنی سامراجی پالیسی کو خیرباد کہنے پر مجبور ہے اسے اپنے وجود کو قائم رکھنا ہے۔ جاپان کی بڑھتی ہوئی رفتار صرف ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے واسطے بھی مہلک ہے اسی طرح امریکہ خود بھی ابھی تک ایک بڑے تاجر کی طرح جنگ کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ پھر ادکاہل کی لڑائی کی وجہ سے زبردستی جنگ میں کھنچ آیا۔ اب پوزیشن یہ ہے کہ مشرق میں چین، ہندوستان، امریکہ اور انگلستان سب کو متحد ہوکر مشترک دشمن۔ یعنی جاپان کو مغلوب کرنا ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرپس مشن کے بارے میں امریکہ نے ضرورت سے زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا خود مسٹر روزویلٹ صدر امریکہ نے کرنل لوئی جانسن کو اپنا ذاتی نمائندہ بناکر ہندوستان بھیجا

خود مسٹر روزویلٹ کے خیال کے مطابق ہندوستان کا مسئلہ صرف انگلستان سے متعلق نہیں بلکہ تمام دنیا سے ہے۔ اس لئے امریکہ بھی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ہندوستان کو خود مختاری اور ترقی کی راہ اختیار کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔

امریکہ کی ہندوستان سے ہمدردی کا دوسرا عملی ثبوت "صنعتی مشن" ہے۔ یعنی اس وقت ہندوستان میں جنگی صنعتیں قائم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ انگلستان خود اپنا کفیل نہیں ہے۔ اس لئے اب صرف امریکہ ہی ایسا صنعتی ملک ہے۔ جو ہندوستان کو صنعتی عروج دینے میں امداد کرسکتا ہے۔ اکثر لوگ اس مشن کے بارے میں غلط فہمیاں رکھتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر گریڈی صدر صنعتی مشن اور سر شنکھم چیٹی کے براڈکاسٹ کے بعد مشتبہات رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ڈاکٹر گریڈی نے صاف الفاظ میں صنعتی مشن کے متعلق کا اظہار کر رہا ہے۔ کہ اس کا مطلب ہندوستان پر سیاسی اقتدار قائم کرنا یا امریکی سرمایہ داروں کو ہندوستان کے ذرائع سے فائدہ پہنچانا ہرگز نہیں ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد جنگی صنعتوں کے قائم کرنے کی بابت ایک اسکیم مرتب کی جائے۔ پھر اس اسکیم کو جلد از جلد عملی جامہ پہنایا جائے۔ اسی سلسلہ میں امریکہ مشینیں اور صنعتوں کے ماہر ہندوستان روانہ کریگا۔ یہاں ہم ادھار پٹہ کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ امریکہ اور ہندوستان سے مین دین کے سلسلہ میں لوزنا بعض افراد عجب قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ سر شنکھم نے اپنے براڈکاسٹ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ ادھار پٹہ ایک تجارتی معاہدہ کی نوعیت رکھتا ہے اس لئے اگر امریکہ اور ہندوستان سے کوئی تجارتی معاہدہ ہو رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان پر اس کا سیاسی اقتدار قائم ہوجائے۔ ہمیں اس قسم کے غیر سنجیدہ افراد کی افواہوں کی طرف کان دھرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت اپنے ملک کی مدافعت کا سوال ہے۔ اس لئے ہمیں ہر اس ملک کی امداد کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ جو ہمارا بہی خواہ ہو۔

شعاعیں

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کے اعزاز میں ۲۶ اپریل کو دہلی کی معزز پنجابی برادری کی طرف سے ایک پرتکلف دعوت چائے بیڈن کلب پر دی گئی۔ جس میں قائد اعظم کی خدمت میں برادری کی طرف سے سپاسنامہ اور چار ہزار روپے کی تھیلی بھی پیش کی گئی یہ ایک دلچسپ اور پرخلوص مظاہرہ تھا جو اپنے محبوب رہنما کے لئے کیا گیا۔ ہر شخص قائد اعظم پر جان چھڑکنے کے لئے آمادہ تھا نگاہیں جھکی ہوئیں اور دل لپسے ہوئے تھے۔ جو لوگ قائد اعظم کی رہنمائی اور ہردلعزیزی سے انکار کرتے ہیں کاش وہ بیڈن کلب کا منظر اپنی نظر سے دیکھتے اور محسوس کرتے کہ مسلمان اس گئی گذری ہوئی حالت میں بھی اپنے قائد سے کسقدر ذوق عقیدت اور دلچسپی رکھتا ہے۔ مسٹر جناح کی زبان سے سرمایہ کی فراہمی کے لئے چند لفظ نکلتے ہیں اور اس زمانہ میں جبکہ جنگ سے پیدا شدہ حالات نے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل دیا ہے روزانہ ساڑھے سات سو منی آرڈر موصوف کو وصول ہوتے ہیں۔

زندہ باد قائد اعظم ۔ زندہ باد مسلم لیگ
زندہ باد اخوت اسلام

شہری حفاظت کے لئے پروگریسیو دیوتا، ۲۵ اپریل کو دہلی کی ایک رہ آسیتی دو ...ین پارٹی نے ایک نمائندہ جلسہ بلایا۔ اس نمائندہ جلسہ کی غرض وغایت یہ بتلائی گئی کہ آپس میں سر جوڑ کر شہری حفاظت پر غور کیا جائے گا لیکن جلسہ کی تہ میں شہر کی لیڈری کے منصوبے کارفرما تھے چنانچہ من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے اس نمائندہ جلسہ کے لئے دعوت نامے اپنے ہی لوگوں کو روانہ کئے گئے اور صرف بہت سے سربرآوردہ لوگوں ہی کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ دہلی مسلم لیگ اور لیگی اخبارات کو بھی بھلا دیا گیا۔ سنا ہے غیر ذمہ داری اور بدکرداری کی اس بدترین مثال پر بعض ہوش مندوں نے کارکنان جلسہ کو توجہ دلائی اور دہلی مسلم لیگ کے دفتر میں صرف ۲۵ منٹ پیشتر دعوت نامے بھیجے گئے ظاہر ہے کہ ایک ذمہ دار جماعت جس کے اتنے ممبر ہوں اس قلیل مدت میں کیونکر شریک کرسکتے تھے۔ بہرکیف یہ نمائندہ جلسہ شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ خانبہادر شیخ حبیب الرحمان نے سینیئر وائس پریسیڈنٹ دیسراج چودھری کا نام صدارت کے لئے پیش کیا۔ اس بے جوڑ تجویز سے جلسہ میں برہمی پیدا ہونا ضروری تھا لہذا مولانا امداد صابری ایڈیٹر تیغ نے اس کی مخالفت کی اور بجا طور پر فرمایا کہ جلسہ دہلی کے معزز حضرات کی جانب سے بلایا گیا ہے جہاں دہلی کی پبلک موجود ہے یہ جلسہ میونسپل کمیٹی کی میٹنگ نہیں ہے کہ اس کی صدارت چودھری دیسراج کریں۔ صدارت کا مسئلہ عوام پر منحصر ہے وہ جسے چاہیں صدر منتخب کریں۔ اس کے بعد مولانا نے صاف صاف کہا کہ لالہ دیسراج کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے اور جسے عوام کا اعتماد حاصل نہ ہو وہ صدارت کا اہل نہیں ہے۔ اس موقع پر ایک نشکھٹ آدمی نے جو شاید لڑانے بھڑانے میں ہی اپنی بقا سمجھتا ہے اپنی کرسی پر سے لپک کر رائے دی کہ صدارت کے لئے ووٹ لئے جائیں۔ اور مولانا امداد صابری نے اس مسئلہ پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا کہ چودھری صاحب کی مخالفت میں اس قدر ووٹ ہیں کہ جتنا معترض کے سر پر اتنے بال بھی نہ ہوں گے۔ آخر اتفاق رائے سے مسٹر آصف علی صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ آصف علی صاحب صدر ہو جانے کے بعد شیخ حبیب الرحمن پر کیا گذری یہ معاصر "وحدت" کی زبانی سنیئے۔

> اس مرحلہ پر خانبہادر شیخ حبیب الرحمان صاحب اسٹیج کی طرف بڑھے اور مسٹر آصف علی صدر جلسہ سے فرمایا کہ دیسراج کا اس جلسہ کا صدر نہ بننا کمیٹی اور اس کی برسر اقتدار پروگریسو پارٹی پر عدم اعتماد کا اظہار اور توہین کرنا ہے۔ اسلئے میں واک آوٹ کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسٹیج سے اتر کر سکریٹری میونسپل کمیٹی کے پاس گئے۔ دیسراج ہلال احمد زبیری اور ملا واحدی صاحبان نے فرمایا کہ آپ سب واک آوٹ کیجئے۔ اور میرے ساتھ باہر چلئے۔ انھوں نے انکار کیا۔ حبیب الرحمن صاحب نے لوگوں کے ہاتھ پکڑ کے زبردستی اٹھانا چاہا۔ لیکن کوئی شخص نہ اٹھا سوائے مرزا امتیاز حسین قزلباش کے۔ پبلک نے پروگریسو پارٹی مردہ باد کے فلک شگاف نعروں سے ہال کو اٹھا لیا چند منٹ تک یہی کیفیت رہی۔
>
> مسٹر آصف علی نے جلسہ کی کارروائی شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ دیسراج چودھری کی اس قدر شدید مخالفت ہوگی تو ہم ان کا نام قطعاً صدارت کے لئے پیش نہ کرتے۔ شیخ حبیب الرحمن کا واک آوٹ کرنا اور یہ کہنا کہ دیسراج چودھری کا صدر نہ بننا کمیٹی کی توہین ہے غلط ہے کمیٹی کا اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے

ان حالات کی موجودگی میں ہم پوچھیں گے کہ اس نمائندہ جلسہ کی صدارت کے لئے شیخ حبیب الرحمن کی یہ ہٹ کہ دیسراج چودھری صدر ہوں کہاں کی دیانت۔ شرافت اور صلح کل پسندی ہے کیا اس صدارت کے ذریعہ سے پروگریسیو پارٹی پر اعتماد کا ووٹ پاس کرانا نہیں تھا حالانکہ کون نہیں جانتا کہ دہلی میونسپل کمیٹی کی اس خودپسند اور شریر پارٹی پر شہریوں کو قطعاً بھروسہ نہیں ہے۔ ہم تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ پروگریسیو پارٹی کے ارکان کو بھی پارٹی سے پوری پوری ہمدردی نہیں ہے۔ صرف ذاتی اغراض کے ماتحت ایک مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ اگر باہمی اعتماد و اخلاص موجود ہوتا تو شیخ حبیب الرحمان کے ہمراہ واک آوٹ کیا جاتا اور دیسراج۔ زبیری اور ملا واحدی صاحب تماشہ نہ دیکھتے

خیال دوشیں

عربک کالج کا نااہل سکرٹری

جیسے کوئی ماں اپنے بچے کے عیبوں، ہتھکنڈوں اور برے فعلوں کو مامتا کے پردے میں چھپا کر بالآخر اسے بدشعار بننے پر مجبور کر دیتی ہے اسی طرح مسلم پریس دہلی نے عربک کالج کے سکرٹری کی بدعنوانیوں کو کالج کی فلاح و بہبود کے پیش نظر پوشیدہ رکھ کر اس کے شریر حوصلے یہاں تک بڑھا دئے کہ وہ خالص تعلیمی تہذیبی ادارہ کو بھی پارٹی بازی کے جہنم میں جھونکنے میں کامیاب ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر موجودہ جواں مذاق و رنگین طبع سکرٹری کی بجائے کوئی سنجیدہ و سلیم انسان ہوتا تو وہ پریس کے مخلصانہ تعاون سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا اور اپنی خود پرستی کو کالج دوستی میں تبدیل کر کے دم لیتا لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عربک کالج کا جواں سال سکرٹری انگلینڈ رٹرن میونسپل کمشنر اور سب کچھ ہونے کے باوجود کالج کے لئے بدترین قسم کی مصیبت ثابت ہوا ہے۔ اگر خدانخواستہ نواب زادہ لیاقت علیخاں صاحب جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ باڈی کے صدر نہ ہوتے اور موصوف کی ہمدردانہ سعی کارفرما نہ ہوتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ نوخیز سکرٹری کیا کچھ نہ کر گزرتا اور گورننگ باڈی کا رہا سہا وقار بھی جاتا نہ رہتا۔ کالج کی تباہی ——— ؟ یہ سوال اور اس سے متعلق تمام تصورات ہمارے لئے یقیناً تکلیف دہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طلباء کی ہڑتال اور سکرٹری پر نکتہ چینی کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے کالج کے چندے کی فراہمی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور برابر اپیلیں اور فہرستیں شائع کرتے رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری تمنائیں شادکامی سے ہم کنار ہوئیں۔

کہا جاتا ہے کہ بعض اندرونی واقعات اور ناگوار صورت حال کی بنا پر نوخیز سکرٹری اپنے عہدے سے استعفٰے دینا چاہتا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر کالج کی کوئی خدمت کی جا سکتی ہے اور گذشتہ بدراہیوں کی خوش فکر سکرٹری کوئی تلافی کر سکتا ہے تو وہ سکرٹری شپ سے استعفٰے اور صرف استعفٰی ہے۔ بلاشبہ یہ ہوشمندانہ اقدام تمام بوقلمونیوں پر پردہ پڑا رہنے دیگا اور کالج ایک دفعہ پھر زندگی و ترقی کی گھوڑدوڑ میں شامل ہو جائے گا۔ جہاں تک سکرٹری کے استعفٰے کا تعلق ہے گورننگ باڈی کے ممبران کے افسوس و اعتماد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ چند رشیدیوں۔ غازیوں اور قادریوں کے سوا جن کا مفاد ملط کار سکرٹری کے اقتدار سے وابستہ ہے کوئی غیور ممبر اس سکرٹریانہ مرہٹہ گردی کی لعنت کو ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کر سکتا خواہ وہ کسی وقت سکرٹری کی حمایت میں ووٹ ہی کیوں نہ دے چکا ہو۔ اور اگر کچھ ردیف قافئے سکرٹری کی اس آبرومندانہ جرأت کو اپنے حق میں بدشگونی سمجھ کر سدراہ ہو جاتے ہیں یا کسی سازش کے ماتحت استعفٰے واپس کرا دیا جاتا ہے تو ہم پورے زور اور ذمہ داری کے ساتھ عرض کرینگے کہ سکرٹری کے منہ پر جس قدر بھی نقاب پڑے ہیں وہ قلم کی نوک سے اٹھا دئے جائیں گے۔ اور اس کی بدکرداری اور خودسری کے پرخچے اس شان سے اڑائے جائیں گے کہ آئندہ نہ صرف اسے بلکہ عربک کالج کے کسی اور سکرٹری کو بھی اس مسلم ادارہ کو ذاتی اغراض کا ذریعہ بنانے کی جرأت نہ ہو سکے گی گورننگ باڈی کے ارباب اختیار اور تمام ممبران کو ہم صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ عربک کالج کے بقاء و استحکام کے لئے پبلک اب کسی لحاظ۔ کسی مروت اور کسی دوستی کا خیال نہیں رکھے گا۔ ضرورت ہے کہ سکرٹری اور اس کے حوارین عربک کالج پر رحم کریں۔ ان کی نالادستی اور لغزش پا کے لئے میونسپل اور اسمبلی الیکشن کافی ہو سکتے ہیں۔

ہمارے پاس دیگر اطلاعات کے علاوہ گرلز اسکول کی خصوصی بھی موجود ہیں اور اب حالات اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں جہاں سے ضبط و تحمل رخصت ہو جاتے ہیں بحالت حاضرہ سکرٹری کے موجودہ عہدے کو کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ بہتر طریق کار یہی ہے کہ اس بلند اور پرتمکین جگہ سے ایک نااہل سکرٹری کو ہٹا کر بجا طور پر غم و غصہ کو دبا یا جائے ورنہ ہمیں خوف ہے کہ تمام واقعات منظر عام پر آنے کے بعد کہیں مسلم عوام کے جذبات حد سے آگے نہ بڑھ جائیں۔

ہمارے رہنماؤں کے نام

(از شہاب دہلوی)

زہے ہند کے پیشوایانِ ذیشاں
خوشا پیشوائی کے اطوار و ساماں
تقاریر اُن کی دھواں دھار ایسی
کہ بنیاد ہل جائے ارض و سما کی

لب و لہجہ سنجیدہ، واضح مطالب
مطالب پہ حرکات و سکنات غالب
اُدھر سر سے پاتک ہے کھدر کی پوشش،
تو ریش و عبا ہیں اِدھر صرفِ کوشش

وہاں قشقہ زیب جبیں ہے سراسر
یہاں گٹے سجدوں کے پیشانیوں پر
سب اوصاف ہیں رہبری کے بظاہر
لحیم و شحیم و متین، مُدبّر

بباطن اگر دیکھئے ان کے کوتک؟
چلن میں منافق، خصائل میں کودک!
طبیعت تعیش پسند انتہائی
نظر جیب پر ہر امیر و گدا کی

ہوس میں تموّل کی بیتاب و حیراں
طلب میں وجاہت کی سرور گریباں
خلائق کی خدمت کا لب پر ترانہ
حکومت سے عہدِ وفا غائبانہ

وہ ہیں سورماؤں میں یہ غازیوں میں
نہیں باک انہیں رخنہ اندازیوں میں
نہیں اتحاد و مُروّت پہ مائل
نہیں احترام مذاہب کے قائل

زباں سے عداوت ہیں مُنہ زوریاں ہیں
امینِ امانت ہیں اور چوریاں ہیں
نہ ہمدردِ ملت نہ مذہب کے قائل
یہ غدار۔ قزاق۔ نامرد۔ بزدل

اُردو ہندی کی ترقی یافتہ صورت ہے

(رشید الحسن ایم-اے)

زمانہ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بھاشا اردو کا پس منظر ہے، بھاشا ملک کے چند در چند سیاسی و ملکی حالات کی وجہ سے تغیر پذیر ہوتی رہی اور اس کو اپنے ارتقا کی بنا پر تین دوروں سے گذرنا پڑا۔

ہند آریائی زبانوں یا بھاشا کا پہلا دور ویدک یا ویدنت کہلاتا ہے۔ یہ دور قدیم ترین ہے۔ جس میں آریاؤں کے مقدس وید لکھے گئے۔ اسی دور کے اختتام پر ویدک کی ترقی یافتہ صورت سنسکرت پیدا ہوئی۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں جب سنسکرت کے شہرہ آفاق عالم پانینی نے سنسکرت کی قواعد مرتب کی تو اس ادبی زبان کا نام سنسکرت یعنی شائستہ زبان قرار پایا۔

سنسکرت کے اسی دور یا اس سے قبل جو زبان بول چال کے لئے استعمال ہوتی وہ پراکرت (یعنی فطری یا غیر شائستہ) کہلاتی تھی۔ سنسکرت کے لفظ کی تحقیق سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ ہندوستان کی قدیم زبان کے لئے بہت بعد استعمال ہوا۔ "رامائن" جو ویدک دور کے ایک عرصہ بعد وجود میں آئی۔ اس زبان کے لئے سب سے پہلے "سمسکرتہ" کا لفظ پایا جاتا ہے۔ قدیم سنسکرت قواعداں یاسکا نے جو پانچویں صدی قبل مسیح میں زندہ تھا) اور اس کے بعد ایک عرصہ تک اوروں نے بھی کلاسکل سنسکرت کو بھاشا کہا ہے۔[1]

ہندی کے لئے بھاشا کا لفظ مستعمل ہونے کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندی سورسینیا یا مدھیہ دیش (علاقہ متھرا) سے نکلی اور وہیں اس کا مرکز رہا ہے۔ قدیم زمانہ میں کلاسکل سنسکرت کا مرکز بھی یہی تھا۔ سنسکرت دور کے اختتام کے بعد ہندی کا دور دورہ رہا۔ شاید اپنی اسی قدیم مناسبت کے باعث ہندی کو بھی بھاشا کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔

کلاسکل سنسکرت یا بھاشا کا دوسرا دور سورسینی ہے جو سورسینا (یعنی جدید متھرا) سے نسبت رکھتا ہے۔ اس دور کی زبان کی خصوصیات قواعد صوتیات لسانیات اور نحوی اعتبار سے بالکل اسی قسم کی ہیں جو ویدک زمانہ کی تھیں۔ ان کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

اس کا تیسرا دور برج بھاشا کا ہے۔ آریائی خاندانی السنہ کے دو گروہ ہیں۔ ایک اندرونی دوسرا بیرونی۔ اندرونی گروہ میں صرف سورسینی ہے۔ اور بیرونی میں مگدھی اردھا مگدھی مہاراشٹری اور شمال مغرب کی ایک نامعلوم پراکرت شامل ہے۔ اندرونی گروہ کا مرکزی مقام وہی ہے جو کلاسکل سنسکرت کا تھا اس لئے گروہ السنہ میں صوتیاتی تبدیلیاں اور زیادہ کلاسکل سنسکرت ہی پر مبنی ہے۔ بیرونی گروہ میں مقامی اثر بہ نسبت سنسکرت عنصر کے زیادہ غالب ہے۔ غرض اندرونی گروہ میں برج بھاشا اپنے اسی نام سے ایک ہزار سال سے مروج ہے۔

برج بھاشا کی سب سے پہلی مشہور کتاب چند بھائی کی "پرتھی راج راسو" غالباً ۱۱۹۰ء میں لکھی گئی۔ اس میں ۶۹ بند ہیں۔ جس میں شہاب الدین غوری اور پرتھی راج کے معرکے بیان کئے گئے ہیں۔ اسی کتاب میں عربی فارسی کے الفاظ کی بہتات ہے۔ ایک ہندو شاعر کے کلام میں عربی فارسی الفاظ کی کثرت کا پایا جانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانہ میں عوام بلا امتیاز ذات پات ان کو استعمال کرتے تھے۔

بھاشا کی مباریات میں کبیر داس کے دوہے تلسی داس کی رامائن اور سکھوں کے گرنتھ صاحب وغیرہ بھی قابل لحاظ ہیں۔ یہ سب کسی نہ کسی مذہبی جذبے اور اس کی اشاعت کی غرض سے لکھے گئے۔ لازماً ان کی زبان وہی ہوگی جو عوام کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں فارسی عنصر کافی طور پر پایا جاتا ہے۔

اسی سلسلے کی سب سے آخری کتاب سورداس کی "سورساگر" ہے یہ کتاب تیرہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی، جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف میں شاید ہی کوئی شعر ہوگا جو فارسی یا عربی الفاظ سے خالی ہو۔

"پرتھی راج راسو" اور "سورساگر" کا درمیانی زمانہ کوئی چار پانچ سو سال کا ہے۔ اس عرصہ میں بھاشا کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، دوران تمام میں آہستہ آہستہ اردو کے لئے ایک زمین پیدا ہو رہی تھی۔ وہاں میں [illegible] کا عنصر کچھ اس طرح جذب ہو رہا تھا کہ بعد میں [illegible] انہوں نے اس کو اپنے سے مخصوص کر لیا۔

سولہویں صدی عیسوی میں شمالی ہند میں جب یہ مخلوط زبان ترقی کر رہی تھی، دکن میں [illegible] پورے طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی، بلکہ ادبی زبان بن گئی تھی۔ اور دکنی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ اس کے مرکز بن گئے۔ بیجاپور کے عادل شاہی اور گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہوں نے اس زبان کی نہ صرف سرپرستی کی، بلکہ خود ان میں سے اکثر اس کے بڑے بڑے شاعر گذرے ہیں۔

دکن میں اُردو شمالی ہند کے مسلمانوں کے ذریعے آئی۔ جس وقت محمد تغلق نے اپنا دار السلطنت دلی کو چھوڑ کر دولت آباد قرار دیا اور دلی کو کامل طور پر خالی کرنے کا حکم جاری کیا تو وہاں کے لوگ ناچار سفر کی ہزارہا تکلیفیں اٹھا کر دکن میں آئے۔ گو راستے میں بہت سے فوت ہوئے۔ لیکن چند ضرور صحیح سالم پہنچ گئے۔ شہنشاہ کے حکم کے واپس لینے کے بعد بھی اکثر یہیں بس گئے اور انہوں نے اپنی زبان کو دکن میں پھیلایا۔ اور اس طرح دکن میں اردو رائج ہو گئی۔

اس ایک ہزار سال کے دوران میں جب کہ فارسی کا عنصر اس زبان میں داخل ہو رہا تھا، اردو کے مختلف نام وجود میں آئے۔

سب سے پہلے شمالی ہند میں، جن لوگوں نے برج بھاشا کو نظم کے لئے استعمال کیا اور اس میں فارسی عنصر ملانا شروع کیا، انہوں نے اس کا نام ریختہ رکھا۔ نثر میں اسی کا نام ہندی رکھا گیا۔ دکن میں اسی کو دکنی کہنے لگے۔ بالآخر شاہجہاں کے عہد میں چونکہ یہ زبان لشکر میں بولی جاتی تھی۔ اس لئے اسی مناسبت سے اس کا نام اردو (یعنی لشکر بازار) پڑ گیا۔ مغربی مصنفوں نے اس کو ہندوستانی کے نام سے مشہور کرنا چاہا۔ لیکن اُردو ہی زیادہ مقبول رہی۔

انیسویں صدی کے آغاز میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔ جس کے صدر ڈاکٹر جان گرسٹ تھے۔ اس کالج کا مقصد یہ تھا کہ اس میں انگریز عہدہ داروں کو اردو سکھائی جائے۔ اور ان کے لئے اُردو کی کتابیں تصنیف و تالیف کی جائیں اس مقصد کی تکمیل کے لئے مسلمان اور ہندو تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت بنائی گئی۔ لیکن بدقسمتی سے اس مقام پر زبان کے لئے دو راہیں پیدا کی گئیں۔ اور اُردو ہندی کو الگ الگ تصور کیا جانے لگا۔ چنانچہ اسی دور میں رسم خط کے اختلاف کے ساتھ دو قسم کی کتابیں تیار ہونے لگیں۔

للوجی لال، جو اسی کالج کے ایک منشی تھے انہوں نے پریم ساگر لکھی۔ جس میں قصداً فارسی عنصر کو خارج کر دیا گیا۔ اب تک ہندی کا کوئی علیحدہ ادب موجود نہ تھا۔ لیکن انہوں نے اسے ہندی کے نام سے ایک قسم کا ادب پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اور عربی فارسی کے الفاظ چن چن کر نکالے۔ اور اس کی بجائے سنسکرت کے نامانوس الفاظ کی بھرمار کر دی۔ اس مخالف تحریک نے زور پکڑا اور اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔

اُردو زبان کی تاریخ پر اس سرسری نظر نے یہ ثابت کر دیا کہ کس طرح اردو اپنے ابتدائی ارتقائی مدارج میں وہی ہندی تھی جو آج کل رائج کرنے کی سعی جاری ہے۔ اور کیونکر اس زبان نے ترقی کر کے اپنا تاریخی لقب "اردو" پایا۔ جو لوگ ہندی کے نام سے قدیم متروک زبان استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ یقیناً الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ پہلے تو یہ چیز ناممکن بلکہ محال ہے کہ قدیم اردو دقیانوسی زبان سارے ملک میں پھیل جائے لیکن بفرض محال اس کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہ پھیلا بھی دی جائے گی تو ہمیں کامل یقین ہے کہ یہی زبان ترقی کر کے اسی نوبت پر پہنچے گی، جس نوبت پر کہ موجودہ اردو ہے۔ غرض ہمیں یہ کہنے میں کبھی تامل نہ ہوگا کہ اردو ہندی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اور جو لوگ اردو کو ہندی بنا رہے ہیں، وہ ترقی معکوس کی طرف مائل ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر صفحہ (۲۲)

جاپان کے اندرونی حالات

(ا۔ ب چغتائی)

ہم جاپانیوں کے انسانیت سوز مظالم کے خلاف اپنی آواز بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں جاپانیوں کی سنگدلی پر حیرت ہوتی ہے۔ آج کے جاپان کی خصوصیات معلوم ہونے کے بعد ہمیں جاپان کی چیرہ دستیوں کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے

ذیل کے مضمون میں، جو مسٹر شیرارڈ کی ایک کتاب سے اخذ کیا گیا ہے ہم جاپان کے اندرونی حالات پر روشنی ڈالیں گے۔ مسٹر شیرارڈ ٹوکیو یونیورسٹی میں انگریزی کے چھ سال پروفیسر رہ چکے ہیں اور پرنس چیچی بو کے اتالیق بھی تھے۔ (مضمون نگار)

جاپان کی آبادی تقریباً دس کرور ہے۔ آبادی کا چالیس فی صدی حصہ کاشتکار ہے جو پرانے طریقہ پر دھان کے کھیتوں میں کام کرتا ہے۔ یہاں ہمیں قدیم جاپان کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے برخلاف جاپان کے شہر بالکل مختلف منظر پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ شہروں میں اس وقت بھی کاغذ کے بنے ہوئے مکانات موجود ہیں جو خوشنما کوٹھیوں اور بنگلوں کے درمیان بھلے معلوم ہوتے ہیں مگر اب رفتہ رفتہ ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور خیال ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد شہروں میں بالکل مفقود ہو جائیں۔ پرانے فن تعمیر کی جگہ مغربی طرز کے کنکریٹ کے عالیشان دفاتر گودام گھر، ہوٹلیں، ذاتی مکانات لے رہے ہیں جنمیں شیشہ اور فولاد ضرورت سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اگر آپ ٹوکیو کی کسی سڑک پر ایک میل تک چلتے رہیں تب بھی آپ کو مشرقیت مشکل سے نظر آئے گی۔ سڑک کے آس پاس شیشہ کی کھڑکیاں اور سیمنٹ کی دیواریں، دکھائی دیں گی۔ سڑک پر ٹیکسی گاڑیاں، بے شمار سائکلیں، ٹرافک کے سپاہی نظر آئیں گے۔ اسی طرح کارخانوں کی بلند چمنیاں دھواں اڑاتی ہوئی بھی آپ کو ضرور متوجہ کریں گی۔ بظاہر یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ جاپان ایک جدید ملک ہے

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں۔ جاپانی ایسی سرزمین میں پیدا ہوتے ہیں جو تباہی و بربادی کے خطرات سے ہمیشہ گھرا رہتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء کے زلزلہ کی وجہ سے ۱۵۰۰۰۰ آدمی ہلاک ہوئے اور ۵۷۰۰۰۰۰۰۰۰ روپے کی مالیت کا نقصان ہوا۔ لیکن یہ زلزلہ انتہائی تباہی و بربادی کی مثال ہے۔ ویسے تو ہر سال زلزلے طغیانی اور آگ ہزاروں جاپانیوں کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اور ایکڑوں زمین تباہ کر دیتی ہے۔ جاپان کا یہی فطری پس منظر وہاں کے عوام کے کردار میں جھلکتا ہے اس قسم کے حوادث کا رد عمل تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب زلزلے نے ان کے شہروں کو تباہ کر دیا تو انھوں نے کوریا اور چین کے شہروں کو تباہ کرنا چاہا اور کئی ہزار انسانوں کو مار ڈالا جب امریکہ میں باہر سے آنے والوں کے متعلق جو قانون نافذ ہوا تو جاپانیوں بیرونی ممالک کے باشندوں پر غصہ برسانے

"روزمین" جو پرانے زمانہ میں قسم کے مسلح آدمیوں کے دستے تھے۔ ان کی روایات کو سنہ ۱۸۶۸ء کے بعد سے جب دوبارہ بادشاہت کا دور دورہ ہوا حکومت نے سراہا اور ان کی ہمت افزائی کی۔ انھیں غنڈوں کی ٹولیوں کو حکومت جاپان نے محبان وطن کا درجہ دیا اور ان کی امداد سے روشن خیال، ترقی پسند تحریکوں کو کچلا گیا مزدوروں کی جائز ہڑتالوں کو فتح کرایا گیا اور خطرناک رہنماؤں کو قتل کرایا۔ انھیں غنڈوں کی امداد سے ہارا کو سنہ ۱۹۲۰ء میں اور ہاماگوچی کو سنہ ۱۹۳۰ء کو قتل کیا گیا۔ یہ دونوں افراد جاپان کے وزیر اعظم تھے۔ جاپان کے یہ سرمنے ایک طرف تو عوام میں دہشت انگیزی اور بربریت کی روح پھونکتے ہیں اور دوسری جانب عوام کی بڑھتی ہوئی تحریکوں کو کچلنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ان ٹولیوں میں سب سے مشہور "سیاہ اژدہا" نامی سوسائٹی ( ) ہے۔ جسے حکومت جاپان کی معاونت حاصل ہے۔ یہ سوسائٹی تمام دنیا میں سراغرسانی کا کام انجام دیتی ہے۔ خونریزی سے جاپان کے سیاسی غنڈوں اور پولیس افسران کو ایک طرح سے محبت ہے۔ دراصل یہ جذبہ موروثی ہے جو انھوں نے اپنے جد امجد بحری قزاقوں سے ترکہ میں حاصل کیا ہے۔ اس لیئے نازک مواقع یا مذہبی تیوہاروں پر اکثر لوگ مجنوں ہو جاتے ہیں ہر جاپانی کو یہ خیال رہتا ہے کہ وحشت اور بربریت کبھی اس سے دور نہیں رہتی۔ متوسط طبقہ کا معمولی پڑھا لکھا شخص مثلاً بینک کا بابو جب مذہبی رسومات میں شامل ہوتا ہے تو جوش کے مارے اچھلنے کودنے لگتا ہے اور منہ سے خوب کف اڑاتا ہے اس کے اور بھائی جب فوج میں ملازم ہوتے ہیں تو وہ بہت خونخوار ثابت ہوتے ہیں۔ جاپانی فوج کی کامیابی کی دراصل وجہ یہی ہے کہ ان کے ہاں قتل اور خودکشی دونوں جائز سمجھے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اخلاقی نقطہ نظر سے یہ بات پسند نہ کی جائے کہ کسی کی توہین کے خلاف بطور احتجاج ایک ملازم دفتر کی چھت سے اپنے آپ کو سڑک پر پھینکدے اور ختم ہو جائے۔ مگر اس سے اسکی جرأت اور قوت ارادی کا اندازہ ہوتا ہے یہی تو خصوصیات میدان جنگ میں ایک سپاہی کے لیئے خوبیاں بن جاتی ہیں۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف جاپان کے شہر مغربی تہذیب کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں اور دوسری جانب عوام کے دماغوں سے بربریت کی بو باش ابھی تک نہیں گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان کی شہری اور عسکری زندگی میں سرکاری پروپیگنڈے کا شکار رہتی ہے۔ اس لیئے مغربی تہذیب کے ظاہری لوازمات تو قبول کر لیئے گئے ہیں۔ مگر اصولوں کو مطلق نہیں سمجھا گیا۔ ا۔ اکی نے روز دولت نام نامی جماعت تیار کی ہے۔ جس کے ارکان چالیس لاکھ افراد پر مشتمل تھے۔ اس جماعت واحد کا مقصد یہ تھا کہ جاپانی عوام کو سلطنت وسیع کرنے اور جارحانہ حملوں کے لیئے ابھارا جائے۔ جاپان میں اس قسم کے سینکڑوں جماعتیں آج بھی اسی طرح کا کام کر رہی ہے لیگ آف یوتھ (نوجوانوں کی انجمن) کے تیس لاکھ نوجوان جاپانی ارکان کو کٹر فوجی بننے کی تلقین کی جاتی ہے اور انہیں مزدور طبقہ کی ہڑتالیں روکنے کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے وہاں وطن پرست طالبعلموں کے ہیں۔ اسکاوٹ تحریک ہے مگر سب فوجی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، عوام کے افلاس اور اقتصادی بدحالی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ان کے دماغوں میں یہ خیال ٹھونستی ہے کہ افلاس اور اقتصادی بدحالی کا واحد حل جنگ ہے۔ انھیں یہ بتایا جاتا ہے کہ کمزور ممالک کی دولت کو لوٹنے کھسوٹنے ہی جاپان ایک متمول ملک ہو سکتا ہے۔ اگرچہ جاپان میں بدھ مت اور شنتو ازم کے پیرو بکثرت ہیں مگر درحقیقت ہمیں جاپان میں اصلی مذہبی روح کا نشان بھی نہیں ملتا۔ دیگر سماجی اداروں کی طرح، مذہب پر بھی عسکریت کا رنگ غالب ہے۔ اور مذہبی جذبات کو بھی جنگ کے مقاصد کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔ شنتو ازم جو جاپان کا سرکاری مذہب ہے۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ شہنشاہ کو خدا تسلیم کیا جائے اور جاپان کی سرزمین کو مقدس تصور کیا جائے شہنشاہ کو خدا کا اور بزرگوں کو دیوتاؤں کا رتبہ دے کر جاپان کا محکمہ تعلیم اسکولوں میں بچوں کو ایک انوکھے مذہب اور جنون کی تعلیم دیتا ہے۔ ان درسگاہوں سے جو بچے تعلیم پاکر فارغ ہوئے ہیں وہ حکومت کا ہر حکم ماننا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کے تخیلات کی دنیا بہت تنگ ہوتی ہے۔

کھیل

(از مسٹر احترام اللہ۔ دہلوی)

اس افسانہ میں مضمون نگار نے زندگی کی چھپی ہوئی حقیقتوں پر دلچسپ بحث کی ہے اور نفسیاتی گہرائیوں میں ڈوب کر لکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس نوع کی فطری قصہ نگاری سے یقیناً بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے۔
"مدیر"

سگنل نہ ہونے کی وجہ سے گاڑی انبالہ کے سٹیشن سے دور کھڑی تھی۔ ایک تیسرے درجے کے ڈبے میں کسی کالج کے کچھ طلبا آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور ڈبے کے دوسرے مسافر ان کی پر لطف باتوں پر ہنس رہے تھے۔ یکایک ان میں سے ایک نے اپنے پاس والے ساتھی کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انگلی سے سامنے میدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "حامد وہ دیکھو"۔ سب مسافر میدان کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک گنوار بھاگا چلا آ رہا تھا کندھے پر ایک لمبا سا لٹھ جس میں ایک گٹھری لٹک رہی تھی۔

حامد نے ایک بلند قہقہہ لگایا "بھئی ظہیر آپ عقل کے پیچھے لٹھ لیکر پھرنے کے معنی سمجھ میں آ گئے۔ آخر یہ شخص بھلے مانسو کی طرح سٹیشن سے کیوں سوار نہیں ہوتا؟"

ایک مسافر نے کہا "شاید اس کے پاس ٹکٹ نہیں ہے"۔

ظہیر سر ہلاتے ہوئے بولا "ضرور یہی بات ہے۔ اسے یہ تو سیدھا ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔ بھئی میں اسے اپنے ڈبے میں نہ بیٹھنے دوں گا۔ جس وقت ٹکٹ چیکر ان لوگوں سے بازپرس کرتا ہے تو مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا"۔

ان ہی باتوں میں گنوار بھی آ پہنچا اور جلدی سے اپنا سامان کھڑکی کے اندر پھینک کر دروازہ سے زور آزمائی کرنے لگا۔

حامد نے کہا "ارے دیکھتا نہیں یہ ڈبہ ڈھادر ہے سے چلے لے جا رہا ہے"۔

وہ خوشامد کرنے لگا "بابوجی۔ ذرا کرپا ہوگی۔ بڑا ہی ضروری کام ہے۔ میں آگے سے کہیں اور بیٹھ جاؤں گا"۔

"بدمعاش! بے ٹکٹ کے جانا چاہتا ہے۔ اپنے ساتھ ہمیں بھی پھنسوائیگا"۔

دیہاتی نے گھبرا کر سلوکے کی جیب میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "بابو جی مو پہ ٹکس ہے۔ یہ دیکھو بڑی دیا ہوگی"۔ ایک دفعہ سختی سے منع کرنے کے بعد اجازت دینا کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ حامد نے جھڑک کر کہا "چل ہٹ نہیں تو ابھی زنجیر کھینچ کر گاڑی چلوا دوں گا"۔

گنوار کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا۔ ذرا کر نیچے اتر گیا "بابوجی میری گٹھڑی۔ تمہارے پاؤں پڑوں۔ وہ دیکھو سیٹی ہو گئی"۔

ظہیر دونوں چیزیں نیچے پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ حامد نے اسے روک دیا۔ "کیا کرتے ہو! آئی چیز کو پھینکنا کہاں کی عقلمندی ہے؟"

"واہ! تمہارے کس کام کی ہیں یہ؟"

حامد نے گٹھڑی پر بیٹھتے ہوئے کہا "ذرا ٹھہر جاؤ۔ ابھی بتا دوں گا"۔

گنوار برابر خوشامد کئے جا رہا تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ اس نے ایک آخری کوشش کرنے کیلئے وہیں ٹرین کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیک کر دونوں ہاتھ سر کے آگے جوڑ لئے "بابوجی دیا کرو"۔

حامد کے ساتھی اسے ملامت کرنے لگے۔ ظہیر چلا کر بولا "حامد بعض وقت تو تم بالکل حیوان بن جاتے ہو۔ آخر یہ گٹھڑی چھین کر تمہارے ہاتھ کیا آیا؟"

حامد نے مسکرا کر جواب دیا "بڑی ٹھنڈی کی چیزیں ہیں"۔ پھر جلدی سے اپنے بٹوے سے ایک پانچ روپیہ کے نوٹ نکالا اور کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر بولا "ارے، یہ لے"۔

حامد کے ساتھی اس کی تعریف کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا گنوار ابھی تک زمین کو سجدہ کر رہا ہے مگر وہ اچک کر ایک دستے کے فٹ بورڈ پر چڑھ چکا تھا اور وہاں کے مسافر اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ہوا سے نوٹ حامد کے ہاتھ سے نکل گیا۔ گنوار نے حامد کی آواز بھی سنی اور اٹھتے ہوئے نوٹ کے پیچھے بھاگا مگر اس کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی۔ اس لئے بھاگتا بھی جاتا تھا اور اپنا گھٹنا بھی دباتا جاتا تھا۔ آخر زمین پر بیٹھ گیا۔

ظہیر غصے سے حامد کو اس طرح گھورنے لگا کہ بس چلے تو خون پی لے۔ حامد بھی ذرا نادم تھا اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا "دوستو تم ہی بتاؤ اس میں میری کیا خطا ہے۔ میں تو سب سے بھاؤ یہ میلی کچیلی گٹھڑی اور یہ لالو تی پانچ روپے میں خرید رہا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ بھلا آدمی زمین میں سوار ہو رہا ہے۔ پھر شیطان نے پھونک مار کر میرے ہاتھ سے نوٹ اڑا دیا اور اس گنوار کی شامت نے ایسا دھکا دیا کہ شاید ٹانگ ٹوٹ گئی"۔

ظہیر نے جھنجلا کر کہا "مگر تم نے اس کی گٹھڑی کیوں لی تھی"۔

حامد گٹھڑی کھولتے ہوئے بولا "اس میں چند پھٹے پرانے کپڑوں کے علاوہ ایک گڑگڑی بھی معلوم ہوتی ہے میں اسے پینا چاہتا ہوں"۔

ذرا سی دیر کیلئے مسافر گنوار کو بھول کر حامد کے گرد جمع ہو گئے۔ صرف ظہیر کھڑکی کے قریب رونی صورت بنائے کھڑا رہا۔ گٹھڑی میں گڑگڑی تو ضرور تھی مگر اس کے علاوہ ایک لہنگا، ایک چولی اور ایک چندری بھی تھی۔ تینوں چیزیں بالکل نئی تھیں اور نہایت شوخ نیلے اور سرخ رنگ کی۔

دوستوں نے زور سے قہقہہ لگایا "بھئی حامد سامان تو تم نے لیس کر لیا۔ اب جلدی سے ایک دیہاتی دلہن بھی تلاش کر لو"۔

کپڑوں کی تہ میں سے ایک خط بھی نکلا۔ حامد نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا "میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ خط اس معاملے پر روشنی ڈال سکتا ہے مگر چشمہ آفتاب را چہ گناہ، یہ ہے ہندی زبان میں جسے پڑھنے سے یہ خاکسار تاجر ہے لو بھئی نند کشور! یہ کام تم کرو"۔

نند کشور تھوڑی دیر تک خاموشی سے خط پڑھتا رہا پھر بولا "حرف بحرف سناؤں گا تو دیر لگیگی۔ یوں سمجھو کہ یہ خط مسماۃ بسنتی سکنہ نارگوڑی کی طرف سے کسی چیے چند سکنہ حال انبالہ کے نام ہے۔ مسماۃ بسنتی ایک شادی میں شریک ہونا چاہتی ہیں اور مسمی چیے چند سے جو صاف ظاہر ہے کہ اس کا خاوند ہے ان چیزوں کی فرمائش کرتی ہے مضمون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی شادی ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ اور دونوں میں بڑی محبت ہے"۔

حامد نے عذر کرتے ہوئے کہا "ہوں۔ یہ بات ہے"۔ ظہیر کھڑکی سے ہٹ کر حامد کے پاس آیا اور نہایت سنجیدگی سے کہا "حامد! جانتے ہو آج تم نے ایسا گناہ کیا ہے کہ تمام عمر اس کے کفارہ ادا کرتے رہو تو بھی نجات ناممکن ہے۔ مذاق کی ایک حد ہے۔ اگر یہ اتنا بڑھ جائے کہ اس سے کسی کے جذبات مجروح ہوں تو ظلم بن جاتا ہے۔ ذرا اس معاملے کو جے چند کے جامے میں جا کر دیکھو اور سوچو کہ اگر تمہاری بیوی ہوتی اور وہ تم سے کوئی فرمائش کرتی جسے پورا کرنے سے تمہیں روک دیا جاتا تو تمہاری اور اس کی کیا حالت ہوتی"۔

حامد نے ذرا آزردہ ہو کر کہا "اچھا! اب بس وعظ و نصیحت تو ختم کیجئے۔ ہم لوگ گھر سے اس لئے نکلے ہیں کہ اپنا جی خوش کریں۔ دماغ پر بوجھ ڈالنے کیلئے کالج سلامت ہے۔ آخر میں نے کیا غضب کیا؟ چوری نہیں کی۔ ڈاکے نہیں مارے۔ جے چند دوسری گاڑی سے نارگوڑی پہنچ سکتا ہے اور آپ ایسے ہی دیالو ہیں تو اس کی بیوی کے سوٹ اس کے گھر پہنچا سکتے ہیں۔ پتہ نند کشور بتا دیں گے"۔

پھر وہ سب ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا "دوستو، مرغی تو اپنی جان سے جا چکی۔ اب کھانے والوں کو کچھ تو مزا دہونا چاہئے۔ اچھا تم لوگوں نے کبھی دیہاتی ناچ دیکھا ہے؟"

سب نے نفی میں جواب دیا۔

"تو آج دیکھ لو"۔ یہ کہکر حامد نے گٹھڑی سے نکالے ہوئے کپڑے پہن لئے اور چندری کا لمبا سا گھونگھٹ نکال کر لجاتا ہوا ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

نند کشور نے دیہاتی سوانگ کے راجہ اندر کی نقل اتارتے ہوئے کہا "ناچ! میری سندر ناری ناچ!"

مسافر بچوں پر پاؤں رکھکر بیٹھ گئے اور حامد ناچنے لگا۔ ظہیر کے سو سب دو دو سے بیٹھے تھے اور وہ نہایت بے ترتیبی سے عجیب حرکتیں کر رہا تھا۔ آخر تھک کر بیٹھ گیا۔ دوستوں نے تالیاں بجا بجا پھر ناچنے کی فرمائش کرنے لگے۔

حامد نے ہانپتے ہوئے معذرت کی۔ "بس بھئی" اب معاف کرو۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مارے چکروں کے سر پھٹ جائیگا۔

ظہیر نے گنگی سے کہا۔ حامد کے منہ میں گھی شکر۔

نند کشور بولا۔ آخر اس ناچ کا نام کیا ہے؟ یہ دیہاتی تو ہے نہیں

حامد نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "رقص عزل میا ! لی"

ظہیر نے سنسنی خیز انداز میں کہا بے شک۔

حامد تنک کر بولا بڑے مذاق ہو ظہیر۔ ہم تمہیں خوش کرنے کیلئے اپنا تماشا بناتے ہیں۔ تمہاری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ جانتے ہو یہ ناچ نادر شاہ کو ایسا پسند تھا کہ خاص اس کیلئے وہ ناچنے والی کو ایران لے جا رہا تھا۔

ظہیر پھر ہنسی کے انداز سے کہا۔ نادر شاہ کو پسند تھا ظہیر کو نہیں اچھا۔ اب اس لباس کو اتارو۔ کہیں کوئی نادر شاہ تمہیں اٹھا کر لے گیا تو اور دقت ہوگی۔

باتوں باتوں میں رات آگئی۔ ظہیر دیر تک اپنے ساتھیوں کو لعنت ملامت کرنے کے بعد تھک کر خاموش ہو گیا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ گاڑی نارگوڑی کے اسٹیشن پر رکی۔ تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک دیہاتی گھبرایا ہوا پلیٹ فارم پر بھاگا بھاگا پھر رہا ہے اور جے چند، جے چند کی صدا لگا رہا ہے۔ دوستوں کے کان کھڑے ہوئے۔ ظہیر بولا۔ دیکھو حامد، یہ شخص جے چند کا باپ معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کا بیٹا کسی ڈبے میں پڑا سو رہا ہے تمہیں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنیکا اس سے بہتر موقعہ نہیں ملیگا۔ تم جا کر یہ سامان بڈھے کو دے دو اور کہہ دو جے چند دوسری گاڑی سے آنے والا ہے۔

ایک لڑکا بولا۔ ارے بنسری بھی آتی ہے۔ دیکھو بابو صاحب ایک عورت سے بات کر رہا ہے۔ ضرور یہ گھونگھٹ والی جے چند کی بیوی ہے۔

ظہیر نے بے تابی سے کہا۔ تو بس اب جلدی کرو۔ اس وقت تمہارے مذاق نے تین انسانوں کو بلاوجہ پریشان کیا۔ نند کشور تم حامد کے ساتھ جاؤ۔ کہیں یہ اور کوئی شرارت نہ کر گزرے۔

نند کشور نے انکار کر دیا۔ "ابھی ہی ہے، تمہاری ہے تم خود کیوں نہیں چلے جاتے۔ مجھے تو شرم آتی ہے۔ آخر ہم لوگ جے چند کے نہ آنے کی کیا وجہ بتائیں گے؟

ظہیر نے چمک کر جواب دیا، "اسی لئے تو میں نہیں جاتا۔ حامد کی شرارت کی تعریف بھی تو تم ہی کر رہے تھے۔ اب تم ہی جا کر اپنی خطا کا اعتراف بھی کرو۔"

حامد کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ ظہیر کی باتوں پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور ایک ایسی تدبیر پر غور کر رہا تھا جو اس کے دوست کو دماغ پاک کر دے۔ اس نے آہستہ سے اٹھاتے ہوئے گٹھری خود اٹھا لی اور لاٹھی نند کشور کو دیتے ہوئے کہا "یہ لو، نند کشور یہ خدا کی لاٹھی ہے جس میں آواز بھی نہیں۔ اور یہ میں سر پہ گٹھری۔ چلو، حساب چکا آئیں۔"

نند کشور ہنستا ہوا حامد کے ساتھ ہو لیا۔

حامد کے لبوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس نے پلیٹ فارم پر چلتے ہوئے کہا۔ نند کشور، تمہیں معلوم ہے میں ان دونوں سے کیا کہوں گا؟

نند کشور نے کہا۔ میں کوئی غیب داں تو ہوں نہیں

حامد بولا۔ سنو، میں ان سے کہوں گا کہ جے چند بنارس کے اسٹیشن

پر کٹ کر مر گیا۔

نند کشور نے چونک کر پوچھا۔ آخر اس سے فائدہ؟ یہ بھی ذرا لطف رہیگا۔ یہ دونوں ابھی رو رو کر اسٹیشن کو سر پر اٹھا لیں گے۔ میرے پاس ثبوت ایسا زبردست ہے کہ انہیں فوراً یقین آجائیگا اور یہ بھی تو سوچو کہ اس طرح جھوٹ بول کر ہم دونوں بقول ظہیر اعتراف گناہ سے بچ جائینگے۔ پھر گردن جھٹک کر حقارت سے کہا۔ ہونہہ! اعتراف گناہ! یہ شخص رائی کا دل بت بنا دیتا ہے۔

نند کشور نے مخالفت کی۔ "نہیں حامد کسی کے جذبات سے کھیلنا ٹھیک نہیں۔ یہ دیہاتی بڑے حساس ہوتے ہیں ذرا سی خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ذرا سے رنج میں ——"

حامد نے بات کاٹ کر فلسفیانہ انداز سے کہا۔ بھائی جذبات سے کھیلے بغیر تو تم کوئی کھیل بھی نہیں کھیل سکتے تم تو کرکٹ کے بڑے اچھے کھلاڑی ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کرکٹ گیند بلے سے نہیں جذبات سے کھیلی جاتی ہے میچ ختم ہونے پر وکٹ نہیں ٹوٹتے دل ٹوٹتے ہیں۔ پھر کیوں جیتنے کی کوشش کرتے ہو اور ہرایا کرتے؟

نند کشور نے جواب دینے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ حامد نے جلدی سے کہا، پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب دو تین گھنٹے بعد جے چند جیتا جاگتا ان کے سامنے موجود ہوگا تو یہ دونوں کیسے خوش ہوں گے مرنے والوں کا رنج کس نے نہیں دیکھا مگر جس وقت یہ جے چند کو زندہ دیکھیں گے تو ان کی خوشی کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

یہ بات نند کشور کی سمجھ میں آگئی۔ پسندیدگی کے انداز سے سر ہلانے لگا۔

پاس جا کر حامد نے نہایت غمزدہ آواز میں بڈھے سے بولا "چودھری تم جے چند کو لینے آئے تھے نا؟"

بڈھے کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے گھنٹوں گھنٹوں پانی سے نکال کر بیچ دریا میں ڈبو دیا ہے۔ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہاں بابو جی کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

حامد نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "ہاں۔ یہ کیا بنسری تمہارے ساتھ آئی ہے؟"

ذرا سی دیر کیلئے بڈھے کی بیوی کسی نامعلوم اندیشے پر غالب آگئی۔ "بابو جی تم کیسے جانتے ہو؟" حامد نے کمر کے پیچھے سے گٹھری اور لاٹھی نکال کر بڈھے کو دیتے ہوئے کہا خوب جانتا ہوں۔ لو یہ چیزیں کس نے تمہارے پاس بھجوائی ہیں۔ تم ہی"

"بابو جی کیا بات ہے؟ جے چند ہے تو راجی؟"

آخری لفظ ایک طویل چیخ کی طرح اس کے منہ سے نکلا۔ اور جھریاں پڑے ہوئے رخسار سکڑ کر آنکھوں سے جا لگے۔

حامد کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور چلا گیا بولا "چودھری مرتے وقت جے چند کی زبان پر بنسری ہی کا نام تھا۔"

بڈھا کوئی سوال کرنا چاہتا تھا، مگر آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ حامد نے پھر کہا۔ "ہاں، مر گیا، بنارس کے اسٹیشن پر گاڑی سے کٹ گیا۔"

بڈھے کے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ حامد کی دی ہوئی چیزیں ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ اس نے لڑکھڑا کر اپنے ہونے کے تن سہارے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور بنسری اس طرح زمین پر بیٹھ گئی جیسے زمین نیچے سے ہل گئی ہو اور بڈھے کے نرم کو اس کی دھنس گئی ہو۔

حامد اور نند کشور اپنے ساتھیوں کی جانب بڑھنے لگے۔ حامد نے چپکے سے کہا نند کشور یہ بھی اچھا ہوا کہ یہ دونوں روئے نہیں۔ ورنہ ظہیر آکر کبھی انہیں واقع بتا دیتا اور سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اگلی گاڑی چلنے کے بعد بھی انہیں بتاؤں گا کہ جے چند مرے سے بچ گیا ہے تو مارے غصہ کے دیوانہ ہو جائیگا۔"

نند کشور خاموش تھا۔ حامد نے ایک خشک قہقہہ لگایا اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ "پھر کیوں — بیٹے تھے؟ اچھا تماشہ ہوا۔ کیوں نند کشور؟"

نند کشور نے کہا، "حامد تم نے بہت برا کیا۔ بے شک یہ دونوں روئے نہیں مگر ان کے سینوں میں طوفان ہے جے چند کے آتے آتے تو یہ مرے سے بڑے ہو جائیں گے میں ابھی انہیں سارا واقعہ سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔ اگر انہیں یقین نہ آیا تو جے چند کے آنے تک میں انہیں کے پاس رہوں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے واپس ہوا۔ حامد نے مرے دل سے کچھ کہنا چاہا لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر فوراً ہی گرفت ڈھیلی کر دی اور کچھ سوچ کر اس کے ساتھ جانے لگا۔

یہ دونوں ابھی راستے ہی میں تھے کہ بنسری تیر کی طرح ان کے

سبدِ گل

کاروبارِ شباب

(از عارف عزیزی جے پوری)

کلام اور بھی ہیں بیاں اور بھی ہیں   شبک اور بھی ہیں گراں اور بھی ہیں
قیاس اور بھی ہیں گماں اور بھی ہیں   ہزاروں طریق فغاں اور بھی ہیں
ترے بزم میں ہم زباں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

شب و روز ہوتی ہے اک سنسناہٹ   کبھی سُن زمانہ گزرنے کی آہٹ
خیالوں میں بیدار ہو چلبلاہٹ   نہیں صرف پیشِ نظر یہ نِلاہٹ
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

یہ جوشِ حمیت یہ غیرت نہیں کچھ   یہ ہمت نہیں کچھ شجاعت نہیں کچھ
یہ وقتی سپاہانہ صورت نہیں کچھ   یہ کاغذ کی مطبوعہ شہرت نہیں کچھ
عمل گاہیں تیری یہاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

کتابی حقیقت، زبانی صداقت   یہ علمی تدبر، یہ لفظی سیاست
یہ شعر و تصوف یہ حسن و محبت   انہیں کی نہیں صرف تجھ کو ضرورت
تری درسگاہیں یہاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

عقائد کی سوئی ہوئی خانقاہیں،   مسائل کی اُلجھی ہوئی شاہراہیں
یہ فلمی نظارے یہ گانے یہ آہیں   انہیں پر نہ رکھ صرف اپنی نگاہیں
یہاں تیرے تاریخ داں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

وطن کی محبت کا برتاؤ بے جا   ضرر بخش باہم، تجارت کا دھندا
نہ اخلاق باقی، نہ انسان زندا   ترے سامنے ہے یہ سب حالِ دُنیا
سمجھ، اس میں کیا کیا زیاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

فنا کر کے افراط و تفریط پیکر   مساوات کا با عمل درس دے کر
سرِ شام اُٹھا مادیت کے بستر   جگا روح کو اور چڑھ آسماں پر
ابھی رفتگاں کے نشاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

ضمیر اور انسانیت کو مٹانے   ترے پاس آئیں گے تجھ کو رجھانے
رو پہلی خزانے سنہری زمانے   کہیں تجھ کو غرض اور ہوس کے بہانے
کہ تجھ سے اسیرِ گماں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

لچکتی ادائیں، لجائی نظر کیا؟   شباب اور یہ تیرے شام و سحر کیا؟
یہ برق و شرر کیا یہ شمس و قمر کیا؟   نگاہوں کی پرواز، عالم نگر کیا؟
کہ عالم ورائے جہاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

چمک دار راتوں کے زریں نظارے   ادھر ماہ پارے ادھر ماہ پارے
نشیلی نگاہوں کے مخمور اشارے   شرافت کو بہکا نہ غیرت کے مارے
ترے کاروبارِ جواں اور بھی ہیں،
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں۔

ابھی وقت ہے صبح ہونے میں کافی   ہے ممکن ابھی غفلتوں کی تلافی
سلامت ہے سانسوں کی ٹیلیگرافی   قصور اپنا تسلیم کر کے لے معافی
کہ باقی زمان و مکاں اور بھی ہیں
تجھے کام اے نوجواں اور بھی ہیں

میری دُنیا

(از جناب دلی علی صاحب درویش بمبئی)

تمہیں سمجھا تھا میں نے زندگی میں رازداں اپنا
نہ تھا حالِ دلِ بیتاب کچھ تم سے نہاں اپنا
تمہارے اِک نہ ہونے سے ہوئی ویراں مری دُنیا
جہانِ آرزو سنسان ہے اب جانِ جاں اپنا
بدل جاتی ہے قسمت اِک تمہارے مُسکرانے سے
نظر آتا ہے پھر مجھ کو زمانہ مہرباں اپنا
گلہ کوئی کرے کیا چرخ کے ظلم و فراواں کا
کہ دشمن ہو گیا اپنا یہ دردِ جانستاں اپنا
اُڑائی ٹھوکروں سے خاک اُس نے میری تربت کی
مٹا آخر زمانے سے جو باقی تھا نشاں اپنا
مآلِ زندگی درویش دیکھو چشمِ عبرت سے
کہ مٹی کا گھروندہ ہے فقط نام و نشاں اپنا

معراجِ محبت

(از عبدالکبیر صاحب کوثر۔ مدیر مسئول "گوہرِ تعلیم" بھوپال)

کبھی تم نے تمناؤں کو ٹھکرایا خفا ہو کر
کبھی تم نے نوازا مطربِ رنگیں نوا ہو کر
یہ کیا نیرنگِ عالم ہے خدارا کوئی بتلائے
وہ ملتے ہیں سرِ محفل مگر نا آشنا ہو کر
زہے طرزِ حجاب ان کا خوشا شانِ نمودان کی
مرے دل میں رہے لیکن مجھی سے وہ جُدا ہو کر
بشر کے واسطے لازم ہی ٹھیری جب خطا کاری
نہیں انسان وہ انساں رہے جو بے خطا ہو کر
اگر تم نے غریبوں پر ستم کرنا روا سمجھا
تو دنیا پھر کہے گی تم سے کیا کیا برملا ہو کر
عجب اُن کی طبیعت ہے عجب ان کا رویہ ہے
وہ رہتے ہیں خفا ہو کر میں رہتا ہوں فدا ہو کر
وہ دُنیا ہائے وہ دُنیا، وہ دُنیا پھر بھی دُنیا تھی
کہ جس میں تم رہے برسوں مرے ہو کر خفا ہو کر
یہ ہے گویا کہ معراجِ محبت ہم نشیں میری
جفا میں ان کی سہتا ہوں مجسم باوفا ہو کر
"مجھے تم سے نہیں نخوت، مجھے تم سے نہیں نفرت"
یہ کہہ دو تم ہی کوثر سے مگر وحدت نما ہو کر

خاں صاحب

(ایم۔ شہاب۔ کلکتہ)

یہ نہ پوچھئے خاں صاحب کس مٹی کے آدمی ہیں۔ بس دیکھنے سے تعلق۔ کہتے ہیں۔ ہر بات نرالی ہے۔ لباس دیکھئے تو ماشاء اللہ، عادت دیکھئے تو واہ واہ، اور شکل و صورت دیکھئے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ہر وقت کسی کارگزاری کی فکر میں رہنا اور ہر اچھے اور درست کام کو بگاڑ دینا جناب کا خاص کارنامہ ہے۔

سب باتوں کو چھوڑ کر ایک نئی کارگزاری حاضرین کے سامنے ہے۔

اتوار کا دن تھا۔ صبح دس بجے ہم خاں صاحب کے مکان گئے۔ یار دوستوں کا مجمع تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی خاں صاحب نے فرمایا "آئیے بھائی صاحب میں آپ لوگوں کی راہ ہی دیکھ رہا تھا۔" یہ سنتے ہی ہم لوگ سمجھ گئے کہ خاں صاحب آج ضرور کوئی کارگزاری دکھانے والے ہیں۔ خاں صاحب نے اپنا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا "آج ہم تمہیں کھیر کھلائیں گے۔ کھیر بھی تیل کی۔"

میں چونک کر بولا "کھیر؟ — تیل کی؟"

"میاں ہاں ہاں۔ تعجب کیا کرتے ہو" خاں صاحب نے کہا۔ "ہم نے کل ہی استاد سے سیکھی ہے۔ اس قدر لذیذ اور مزے دار ہوتی ہے کہ ......"

"ارے خاں صاحب" میں نے دخل دیتے ہوئے کہا "پھر کہیں تیل میں بھی پکتی ہے ہم نے تو آج تک . . . . . ."

"اوہ تم اسی طرح باتیں کیا کرتے ہو۔ آج کھا کر دیکھنا۔ گھی کی اور کھوئے کی کھیر نہ بھول جاؤ تو سہی۔ سچ کہتے ہیں بھائی صاحب یقین کرو۔ بہت ہی لذیذ ہوتی ہے۔"

اس پر تمام یار لوگ ایک زبان ہو کر بولے "یار شہاب تم کیوں بھانجی مار رہے ہو بیچ میں۔ کھیر پکانے دو نا خاں صاحب کو۔"

میں یار لوگ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا کہ چلو اتوار کی دل لگی ہی سہی۔ تجویز پاس ہو گئی اور خاں صاحب کھیر کی تیاری میں لگے اور فوراً بازار گئے۔ تیل۔ چاول دودھ اور چینی لے آئے۔ یہ سب کچھ تو ہو گیا لیکن اب سوال یہ درپیش تھا کہ پکائیں کس پر؟ ہم نے چولھے کی تجویز پیش کی۔ لیکن خاں صاحب نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اب کون لکڑیاں لائے گا اور کون بیٹھ کر پھونکے۔ پھونکے گا۔ اور سب نے بھی خاں صاحب کی تائید کی۔

"پھر کیا ہو" میں نے کہا۔

"میں جا کر کسی کی انگیٹھی لے آتا ہوں۔ کیونکہ کوئلے تو گھر میں موجود ہیں۔ انگیٹھی بہ نسبت چولھے کے عمدہ رہے گی۔" خاں صاحب یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک انگیٹھی لئے ہوئے خوش خوش داخل ہوئے۔

آپ نے کوئلے ڈال کر آگ سلگانی چاہی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ کوئلے جالی سمیت انگیٹھی کی تہ میں دھرے ہوئے ہیں۔ بہت تاؤ آیا اور فرمایا "کم بخت کو انگیٹھی دینے کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ جالی ٹوٹی ہوئی ہے۔"

اس وقت موسلا دھار بارش ہو رہی تھی لیکن خاں صاحب کے سر پر تو کھیر کا بھوت سوار تھا۔ دوبارہ گئے اور کسی دوسرے کی انگیٹھی مانگ کر لے آئے۔ خدا خدا کر کے آگ سلگی اور خاں صاحب نے دیگچی انگیٹھی پر رکھنی چاہی۔ سوء اتفاق یا خاں صاحب کی بدقسمتی سے یہ انگیٹھی بھی ایسی تھی کہ اسکا ایک کنگورہ غائب تھا۔ کنگورہ نہ ہونے سے دیگچی درست طریقہ سے انگیٹھی پر نہیں ٹھیر سکتی تھی۔ اس لئے بہت سوچ بچار کے بعد خاں صاحب نے ایک اینٹ کا ٹکڑا لگا کر دیگچی انگیٹھی پر رکھ ہی دی۔

پتیلی میں دودھ ڈال کر جوش دینا شروع کیا۔ جب جوش آ گیا تو اس میں چاول ڈال کر کھیر کو گھوٹنا شروع کر دیا جیسے ہی چمچہ سے کھیر کو گھوٹنا شروع کیا تو دیگچی انگیٹھی پر اس طرح ہلنے لگی جس طرح زلزلہ آ جانے سے در و دیوار لرزنے لگتے ہیں۔ اب خانصاحب عجب مشکل میں تھے۔ اگر چمچہ چلاتے ہیں تو دیگچی کے گرنے کا ڈر ہے۔ اگر نہیں چلاتے تو کھیر کے لگ جانے کا خدشہ ہے۔ خانصاحب اپنے کام میں مشغول تھے اور کبھی کبھی ہماری طرف امداد طلب نظروں سے دیکھ لیتے تھے۔ لیکن ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خاں صاحب کا ہاتھ بٹاتا۔ سب بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

ایک صاحب بولے "جی ہاں۔ خاں صاحب ٹھیک تو ہے۔ چمچہ ذرا جلدی جلدی چلائیے۔" یہ سنکر خاں صاحب نے جو اس دوبارہ عمل کرنے کا ارادہ کیا تو دیگچی ناراض ہو کر انگیٹھی سے گرنے کا ارادہ کر بیٹھی۔ لیکن خاں صاحب نے بہت ہی پھرتی کے ساتھ اسے روکا جس سے ان کی انگلی جل گئی اب خاں صاحب پر ایک ساتھ تین مصیبتیں نازل ہو گئی تھیں۔ کھیر گھوٹنا، دیگچی کو انگیٹھی پر ٹھیک طور سے رکھنا اور انگلی کو کبھی جھٹکنا اور کبھی منہ میں رکھنا۔

خاں صاحب کو انگلی جلنے سے بہت غصہ آیا مگر کرتے کیا۔ پیچ و تاب کھا کر خاموش ہو گئے۔ مگر پھر دیگچی اتار کر نیچے رکھدی اور یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے کہ میں ابھی اور انگیٹھی لے کر آتا ہوں۔ قریباً آدھ گھنٹہ میں واپس لوٹے اور اس نئی انگیٹھی میں آگ وغیرہ کا انتظام مکمل کر کے دیگچی اس پر رکھدی۔ خوش قسمتی سے وہ انگیٹھی صحیح و سالم تھی۔ کہیں سے کانڑی یا لنگڑی نہ تھی

اب خاں صاحب نے کھیر کو خوب ہی گھوٹنا شروع کر دیا۔ اللہ اللہ کر کے اب ذرا کھیر گاڑھی ہونی شروع ہوئی تھی۔ ہم لوگوں نے سوچا یہ تو کوئی نئی بات نہ ہوئی بہت جلدی سے کھیر پکی جا رہی ہے۔

خانصاحب سے عرض کیا "ارے بھئی خاں صاحب! چاول میں کنی وغیرہ تو نہیں رہ گئی" مگر خانصاحب نے گھوٹنے کی دھن میں کچھ نہیں سنا۔

دوبارہ عرض کرنے پر کہنے لگے "نہیں جی! چاول تو خوب صاف اور چھنوا کر لایا تھا۔"

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ" میں نے کہا "میں کہہ رہا ہوں زمین کی اور تم سمجھ رہے ہو آسمان کی۔" جب بھی خاں صاحب نہ سمجھے تو میں نے کھول کر کہا۔ "ارے بھئی مطلب یہ ہے کہ چاولوں میں کچھ کنی وغیرہ تو نہیں رہ گئی۔"

فرمایا "جی نہیں خوب اچھی طرح گھوٹی ہے۔ ایک ایک چاول دودھ کے ساتھ مل گیا ہے۔"

بھائی نصیر کی رگ شرارت پھڑکی اور آپ نے خاں صاحب کے قریب جا کر فرمایا "دیکھوں تو سہی۔"

خاں صاحب نے چمچہ میں تھوڑی سی کھیر نکال کر دی۔ بھائی نصیر انگوٹھے اور انگلی سے مسلتے ہوئے بولے "بھئی کنی تو ابھی ضرور موجود ہے۔ دیکھئے نا ابھی بعض بعض چاول بالکل ثابت ہے۔"

خاں صاحب کی سمجھ میں آ گئی اور خوب ہی زوروں کے ساتھ پھر کھیر گھوٹنی شروع کر دی۔ ہماری مراد بر آئی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے دہی چمچہ اور دیگچی پھر تھی۔ اب خانصاحب خوب تیزی کے ساتھ کھیر گھوٹ رہے تھے۔

گھوٹتے گھوٹتے خاں صاحب تھک کر الگ ہو گئے تو ہم لوگوں نے کہا۔ "ہاں خاں صاحب اب تو کھیر خوب ہی گھٹ گئی ہے۔"

یہ سنکر خاں صاحب نے چینی اور تیل اس میں ڈالدیا اور پھر گھوٹنے کا کام شروع کر دیا مسلسل دس منٹ تک گھوٹنے کے بعد بولے "لو بھئی! اب کھیر تیار ہو گئی ہے۔" کھیر کو طشتریوں میں نکالا اور مسرت بھری آنکھوں سے ہم سب کو دیکھا اور فرمانے لگے "اب آتے کیوں نہیں کھانے کو" ہم ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرائے اور کھانے کے لئے آ بیٹھے۔

"جی اب شروع کیجئے" خانصاحب نے فرمایا۔

سب سے پہلے ہم نے ہاتھ ڈالا اور چمچہ کا منہ تک پہنچنے سے پہلے ہی جو واہ واہ کے زبردست نعرے لگائے تو خانصاحب مارے خوشی کے پھول گئے اور انکی باچھیں کھل گئیں۔

پھر شمیم نے ایک چمچہ کھایا اور تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ غرض ہر ایک نے ایک ایک چمچہ کھایا اور ہر ایک کے منہ میں بجائے کھیر کے اس کی تعریف تھی۔

"بھئی واہ واہ کیا لذیذ کھیر ہے۔"

"حقیقت یہ ہے! ایسی کھیر۔ آج تک ہم نے نہ کھائی تھی۔"

"بھئی واہ کیا کہنے۔ خاں صاحب تو خوب ہی کاریگر نکلے۔ کھیر کا ریکارڈ توڑ ڈالا۔"

"سچ ایسی کھیر تو راجہ نوابوں نے بھی آج تک نہ کھائی ہو گی۔"

بس کچھ نہ پوچھئے۔ خاں صاحب کی کیا حالت تھی مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ ہونٹوں پر فتح کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

شمیم کو ذرا شرارت سوجھی اور فرمایا "ارے خاں صاحب اس میں میٹھا تو کم ہی رہ گیا۔"

باقی صفحہ ۱۵ پر

بقیہ
خاں صاحب

"تو اب میں کیا کروں اس کا" خانصاحب نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔

ہم نے کہا "کیا چینی بالکل ختم ہو چکی ہے"؟

"نہیں تھوڑی سی تو رکھی ہوئی ہے" خاں صاحب نے فرمایا۔

"تو پھر سوچنے کی کیا بات ہے" بھائی نصیر نے کہا "لائیے نا جلدی سے"

پہلے تو خاں صاحب نے سوچا۔ پھر چینی لے آئے اور اطمینان سے تمام طشتریوں پر چھڑکی اور کہنے لگے کھائیے سب نے ایک ایک چمچہ اور کھایا اور تعریفوں کے ڈھیر لگا دئے گر شمیم کے نزدیک ابھی افسانہ پوسانہ ہوا تھا فرمایا" لیکن خانصاحب یہ چینی تو بجری کی طرح دانتوں کے نیچے آرہی ہے" میں نے بھی کہا "ہاں اس نے تو سارا مزہ خراب کر دیا۔

"تو ذرا ٹھیر جاؤ ابھی گھل جائیگی" خانصاحب نے کہا۔

"واہ صاحب یوں کس طرح گھل جائے گی" نسیم نے کہا۔

"تو لاؤ ذرا ذرا سا پانی ڈال دوں" خاں صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ٹھیک" ہم سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

خاں صاحب نے تھوڑا تھوڑا سا پانی سب طشتریوں میں ڈال کر خوب ہی چمچہ چلایا۔ پانی پڑنے سے تیل نے بھی اپنی خوب ہی بہار دکھائی۔ خاں صاحب چمچہ چلانے سے فارغ ہوئے تو کہا "ہاں تو پھر اب کھائیے نا"

سب نے مجبوراً ایک ایک چمچہ کھایا اور واہ واہ کرنی شروع کر دی اور ایک ایک چمچہ کھا کر فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ تمام طشتریاں یوں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ پہلے تو خاں صاحب نے اصرار کیا۔ لیکن جب ہم سب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "ابھی گھر جا کر بھی تو کھانا کھانا ہے" تو خانصاحب کو غصہ آگیا اور فرمانے لگے "بڑے ہی نازک بدن ہیں۔ دو چمچے کھا لینے سے ان کی سدلی میں فرق آجائے گا۔ جاؤ ہم خود ہی سب کھالیں گے"

کھیر کیسی تھی۔ اس کا اندازہ تو اس سے ہی ہو جائیگا

کوئی کہہ رہا تھا کہ "زبان چلکٹ گئی ہے"

کوئی کہہ رہا ہے "گلے سا تراش ہے"

کوئی صاحب کہہ رہے ہیں "سینے میں جلن محسوس ہو رہی ہے"

ہاں خاں صاحب تو دو روز سے برابر اسی کھیر کو بطور ناشتہ کے کھا رہے ہیں لیکن ان میں نہ تو کوئی تبدیلی ہوئی اور نہ ہی کوئی بیماری۔ بلکہ وہ تو اچھے خاصے ہٹے کٹے تندرست ہیں۔

ترقی پسند اردو ادب کا جمیل ترین تحفہ
اخبار چنگاری کا
۱۹۴۲
سالنامہ
جو
بہت بڑی ضخامت اور یک رنگی دو رنگی سہ رنگی تصاویر کے ساتھ عنقریب شائع کیا جا رہا ہے
اور
جسے دل نواز، نظر فریب اور مفید بنانے میں ہندوستان کے بلند مرتبت ادیب انشاپرداز اور شاعر حصہ لے رہے ہیں
ملک کے حسب ذیل مایۂ ناز ادیبوں اور انشاپردازوں کے سیاسی و معاشی و علمی و ادبی اور تاریخی و فلمی شاہکار خصوصیت کے ساتھ شریک اشاعت کئے جائیں گے اور سالنامہ کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔
(۱) رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو
(۲) نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکریٹری (آل انڈیا مسلم لیگ)
(۳) مولانا ڈاکٹر عبدالحق صدر انجمن ترقی اردو ہند
(۴) سر سید رضا علی صاحب ایم ایل اے۔
(۵) پنڈت جواہر لال نہرو۔
(۶) مسٹر سید حسین شہید سہروردی ایم، ایل، اے۔
(۷) مسٹر ایم، این رائے۔
(۸) راجہ صاحب آف محمود آباد
(۹) علامہ برجموہن صاحب کیفی دتاتریہ
(۱۰) حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب۔
(۱۱) جناب یوسف فاضل بھائی صاحب بمبئی۔
(۱۲) خان بہادر سید رضا علی صاحب وحشت کلکتہ۔
(۱۳) خیام الہند حضرت حیدر دہلوی۔
(۱۴) نواب خواجہ محمد شفیع صاحب بی۔ اے دہلوی۔
(۱۵) حضرت ساغر نظامی مدیر ایشیا میرٹھ۔
(۱۶) الحاج حضرت مولانا فاحد القادری صاحب۔
(۱۷) پنڈت سدرشن صاحب۔
(۱۸) علامہ سید معصوم حسین صاحب نجم
(۱۹) مسٹر ایم، اے مغنی بی۔ اے۔
(۲۰) مسٹر آنند راج صاحب بی۔ اے۔
(۲۱) جناب حامد گریز۔
(۲۲) جناب حیات امروہوی۔
(۲۳) مسٹر اختر الایمان۔
(۲۴) مسٹر احترام اللہ۔
(۲۵) جناب آغا حشر شیرازی۔
(۲۶) عارف عزیزی
(۲۷) مسٹر رام سنگھ ایم، اے۔
(۲۸) جناب سید محمود صاحب مورخ بی، اے۔
(۲۹) امین حزیں۔
(۳۰) جناب سید کاظم مدیر کہکشاں دہلی۔
(۳۱) مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔
(۳۲) مسٹر علی امام صاحب ایم، اے۔
(۳۳) علامہ سید شفیق حسن صاحب امروہوی۔
(۳۴) مولانا امداد صابری
(۳۵) جناب فضل مختار دہلوی
(۳۶) جناب سید مقصود صاحب زاہدی
(۳۷) محترمہ نکہت بمبئی۔
(۳۸) مسٹر ایس۔ ایل بگا جرنلسٹ۔
(۳۹) مسٹر سردار علی صاحب صابری
(۴۰) مسٹر وحید چغتائی گوالیار۔
(۴۱) جناب ادیب مالیگانوی
(۴۲) محترمہ جاوید سلمیٰ صاحبہ
(۴۳) جناب محمد اشرف جنگی نصیر آبادی۔
(۴۴) مس ادشا رانی بی، اے۔
ان کے علاوہ ادارہ کی طرف سے متعدد سیاسی علمی ادبی تاریخی اور فلمی مقالات شائع کئے جا رہے ہیں اس لئے آپ اس مایۂ ناز شاہکار کے مطالعہ کیلئے ابھی سے اپنا نام مستقل خریداروں کی فہرست میں درج کرا دیں۔
ایجنٹ صاحبان جلد از جلد اپنے آرڈر پیشگی رقم کے ساتھ بک کرا دیں تاکہ وقت گذر جانے پر مایوسی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔
مشتہرین حضرات کے لئے اس سے زیادہ ترقی تجارت کا موقع نہ ہوگا۔ اس لئے کہ چنگاری کا سالنامہ ملک کے ہر گوشہ میں جائے گا۔ اور تجارت کی حیثیت سے بہترین آرگن ثابت ہوگا۔
مستقل خریداروں کو مفت — قیمت فی کاپی ایک روپیہ چار آنہ
پتہ منیجر ہفت روزہ "چنگاری" اردو بازار دہلی

تم رو رہی ہو؟

(حافظ سبحان قریشی)

برسات کا موسم تھا۔ چونکہ اس موسم میں بادل ہونے کی وجہ سے ہر وقت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بادل ہر سمت اٹھتے اڑتے ——— پھرتے ہیں اور کبھی کبھی زمانہ دنیا کی بے اعتنائیاں دیکھ کر غم کے آنسو بہاتے ہیں بجلی بھی کبھی کبھی عزدہ دل کے مانند تڑپ جاتی ہے۔ باغوں میں ہر سمت سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اگر موسم کا یہی حال رہا تو عجب نہیں کہ مخمل اسٹم میں بھی سبزہ شادمانی آ فریں ہو۔ ہر سمت سبز مخملی فرش بچھا تھا ——— سبز پوش وہین نئے راگ الاپ رہے تھے۔ بلبل و قمری بھی اپنی بے بال و پری کی کہانی کچھ عرصہ پہلے نہایت ہی پر درد الفاظ میں کہہ رہی تھی اور کوئی سننے والا نہ تھا۔ وہ باغ میں ہر طرف کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اب اس موسم کے طفیل سے ابھی بھی مرادیں پوری ہوئیں۔ وہ اب خوش و خرم نظر آتی تھیں۔ بازار سڑک میں جہاں کچھ عرصہ پہلے ہر سمت دھول اڑتی نظر آتی تھی اور کسی قدر ویرانیت تھی وہاں اب نگاہ اٹھا کر دیکھو تو چھڑکاؤ نظر آتا تھا۔ چند آدمی ہوٹل میں بیٹھے بہت تیزی کے ساتھ چا پی رہے تھے۔ پولیس ان کے تعاقب میں تھی رات کا وقت تھا بازاروں میں گھومتے گھومتے خفیہ کانسٹبل نظر آئے تھے جلد کرو ایک نے کہا۔ ہاں ہاں سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کون؟ مسٹر جعفر اور مسٹر.... ابھی خفیہ نے یہ لفظ کہا ہی تھا کہ طاہر نے ریوالور تان لیا ———

ہینڈز اپ خفیہ کانسٹبل نے ہاتھ اونچے کر دیئے اسلم۔ جعفر۔ فیروز تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ ——— طاہر نے گھبرا کر کہا۔ تینوں تیکے بعد دیگرے چلے گئے اور کھڑے موٹر میں جا کر بیٹھ گئے طاہر خفیہ کانسٹبل کو دھوکہ دیکر جان بچا کر بھاگ گیا اور موٹر میں چاروں بیٹھ کر فرار ہو گئے ———

تقریباً رات کے دو بجے ہونگے بارش پورے زور سے ہو رہی تھی یہ چاروں نوجوان کسی نامعلوم گھر میں گھس گئے ——— آج تو بال بال بچ گئے طاہر نے برساتی اتارتے ہوئے کہا ——— ہاں بچ تو گئے ——— اسلم نے جواب دیا۔

طاہر بہت ہی منچلا نوجوان تھا اور تعلیم یافتہ بھی، اس کو دنیائی مکروفریب اور دغا نا انصافی ظلم زیادتی نے اس تحریک پر مجبور کر دیا وہ بہت ستم رسیدہ تھا بچپن ہی سے اس کو دنیا کی فسوں سازی نے اپنے پنجہ استبداد میں جکڑ لیا تھا مگر وہ بھی دنیا والوں سے بدلہ لینے کے لئے میدان میں کود پڑا ——— وہ دنیا کی نظروں میں حقیر تھا ——— حقیر؟ افلاس نے اس کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ در در بھیک مانگے مگر کیوں وہ دنیا کی عیارانہ چالوں سے واقف تھا ——— وہ جانتا تھا کہ اب دنیا میں اس کو صرف ایک ہی راستہ نجات دلا سکتا ہے۔ وہ خاندانی تھا ——— شریف ——— تھا ——— مگر اب نہیں ——— طاہر کمرے میں معہ ساتھیوں کے بہت خاموش اپنے ماضی کے حالات پر غور کر رہا تھا۔ خاموش کیوں ہو گئے طاہر۔ جعفر نے سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میری عجب زندگی ہے ——— نہ گھر ہے ——— نہ در ہے ——— واہ صاحب واہ ——— یہ مکان ——— یہ سامان ——— اور ہم آپ کے ہیں سب نے قہقہہ مارا، رات زیادہ ہو چکی تھی اس لئے طاہر نے سب کو آرام کرنے کو کہا اور آپ بھی ایک بوسیدہ مسہری پر دراز ہو گیا سب کو نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکوں نے سلا دیا تھا۔ لیکن طاہر سکوت میں لیٹا ہوا کسی خیال میں مستغرق تھا ——— رات کی تاریکی نے اپنے سیاہ زلفوں سے سب کو آغوش میں لے لیا تھا اور بارش کی مہین مہین بھوار نے ظلمات میں وحدانیت پیدا کر دی تھی کسی کے پاؤں کی آہٹ سنکر طاہر چونک پڑا ——— کون؟ طاہر نے دبی آواز میں کہا ——— میں ہوں! آپ کون؟ طاہر نے زور سے کہا۔ اور ڈرتے ڈرتے دروازہ کے قریب گیا۔ لیجئے آپ کو یقین نہیں آتا۔ اس نے برقعہ اتارتے ہوئے کہا ——— اف! طاہر کی زبان سے نکلا۔ کیوں آپ ڈر گئے؟ ——— نہیں نہیں طاہر نے برقعہ رکھتے ہوئے کہا ——— جناب کا اسم گرامی؟ مجھ کو نعیمہ کہتے ہیں۔ اس نے شرماتے ہوئے کہا طاہر بہت حیران تھا کہ یہ کیا بھید ہے۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں خوبصورت

حسین تو ——— عمر لڑکی اور طلائی زیورات پہنے اتنی رات کو نہایت رنج کے ساتھ یہاں ——— آپ آرام فرمائیں گی ——— طاہر نے قریب آکر کہا ——— جی نہیں میں تو چلی جاؤں گی صرف آپ سے ملنے آئی تھی۔ بس جا رہی ہوں نعیمہ نے برقعہ اٹھاتے ہوئے کہا اچھا ۔ خدا حافظ ——— شکریہ طاہر بغیر کوئی جواب دیئے ہوئے اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اور سوچ میں پڑ گیا محبت کی روحانی دنیا میں مستغرق کر اس کو نیند نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ لف جیسی کالی رات تھی آسمان پر بادلوں کا ہجوم تھا جھینگر کی سریلی تان خاموش فضا کو پاش پاش کر رہی تھی نعیمہ اس ہیبتناک رات میں دروازہ سے نکل کر لیے مکان پہونچ گئی

صبح ہونے ہی طاہر اٹھا اور بہت بے چینی سے وقت کو کاٹنے لگا آخر اٹھ کر گئے ۔ طاہر مع سپاہیوں کے بہت خوف و خطر سے چھپا ہوا اپنے مکان آ پہونچا ۔ مکان پر صرف طاہر کی چھوٹی بہن اور چچا اکبر خاں ہی رہتے تھے۔ طاہر نہایت خاموشی سے گھر میں داخل ہوا۔ کون بھائی جان ! شبو نے کہا ۔ ۔ ہاں شبو چچا جان کہاں ہیں ؟

وہ بازار گئے ہوئے ہیں ۔ شبو نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا بھائی جان آپ رات کو مکان کیوں نہیں آئے ؟ شبو میں رات کو چار کی دعوت پر چلا گیا تھا رات زیادہ ہوگئی تو واپس نہ آسکا ۔ طاہر نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا بھائی جان چچا جان کہہ رہے تھے تمہارا وارنٹ جاری ہے اور پولیس تمہاری تلاش میں ہے شبو نے چائے دیتے ہوئے کہا ۔ نہیں نہیں غلط ہے ۔ ۔ ۔ ابھی ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چچا آگئے ان کو طاہر دیکھ کر سہم گیا کون ——— طاہر ، جی ہاں ۔ طاہر نے کہا ۔ طاہر تم نے پڑھنا لکھنا بھی چھوڑ دیا اور رات کو مکان بھی نہیں آتے ۔ کبھی کہتے ہو کبھی نہیں یہ کیا بات ہے ؟ چچا نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا ۔ طاہر یہ باتیں سنکر بہت افسردہ ہو گیا اور مکان کے باہر چلا گیا ۔ بہت حیران و پریشان

اپنی قسمت کو روتا ہوا پوشیدہ اسلم کے مکان پر پہونچا

کیوں خیر تو ہے اسلم نے حیرت سے پوچھا ۔ اسلم میں اب یہاں نہیں رہوں گا ۔ اور تم یہ خط سوداگر صاحب کے یہاں بہت خفیہ پہونچا دینا اور بس خط ——— سوداگر ——— کون سوداگر صاحب آج کیسی جگر خراش باتیں کر رہے ہو۔ اچھا تم نہیں جانتے لاؤ مجھ کو دو میں خود جاؤں گا ۔ طاہر نے ناگواری سے کہا اور خط واپس لے لیا ۔ رفتہ رفتہ سب میں خبر پھیل گئی کہ طاہر کی پولیس تلاش میں ہے ۔ اس کے سب دوستوں نے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دی ۔ حتیٰ کہ اسلم بھی ۔ لیکن نعیمہ نے اس کو نہیں چھوڑا تھا ۔ تقریباً رات کے بارہ بج رہے تھے ۔ شہر میں ہر طرف سناٹا تھا طاہر نے مکان سے نکل کر کسی طرف کی راہ لی اور ایک وسیع میدان سے گذر کر نعیمہ کے مکان پر پہونچا نعیمہ کے والد نوکر وغیرہ سب آرام کی نیند سو رہے تھے طاہر نے فوراً ہی کمر سے ایک دراز کمان نکالی اور اس کو بہت طاقت سے مکان کے بالائی حصہ پر پھینکا اور اس کی مدد سے وہ کمرے میں داخل ہو گیا نعیمہ بہت بے چینی سے بیٹھی ہوئی طاہر کو خط لکھ رہی تھی طاہر کو یک بیک دیکھ کر گھبرا گئی ۔ آپ کون ہیں نعیمہ نے آنچل سنوارتے ہوئے کہا ۔ گھبراؤ نہیں طاہر نے نقاب اتارتے ہوئے جواب دیا ——— اوہ آپ اتنی رات کو یہاں کیسے آگئے ۔ کیا آپ چور ہیں ——— چور کے لفظ پر دونوں ہنس پڑے نعیمہ بہت خوش ہوئی اور فوراً ہی کمرے کے تمام دروازے لگا دیئے تاکہ طاہر کے آنے کی کسی کو خبر نہ ہو اور طاہر کے قریب آکر بیٹھ گئی ۔ کیا آپ کا وارنٹ گرفتاری ہے اس سوال سے طاہر چونک پڑا ۔ ہاں ہے تو لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا طاہر نے تعجب سے کہا آپ مجھ کو بتایئے ۔ آخر پولیس کیوں آپ کے تعاقب میں ہے ۔ آہ وہ میری زندگی کا راز ہے نعیمہ طاہر نے افسردگی سے کہا ——— نعیمہ کے بہت اصرار سے طاہر نے اپنا واقعہ بتایا کہ میرے ہاتھ سے زمیندار کا ایک لڑکا قتل ہوا ہے اسی سلسلے میں فرار ہوں اور اپنے تئیں بچاتا پھرتا ہوں لیکن افسوس ——— اس واقعہ سے

نعیمہ کو بہت دکھ ہوا وہ طاہر کی محبت میں اندھی ہو چکی تھی ۔ آپ کے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ——— نعیمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا ۔ نعیمہ ——— قدرت ہی ہو ؟ طاہر نے کہا ۔ آہ ۔ اچھا نعیمہ میں جا رہا ہوں خدا حافظ طاہر کے دل میں جگر خراش ٹھیس لگی اور وہ خود اسی کمان کے ذریعے نیچے اتر آیا ۔ اور گھر روانہ ہو گیا ۔ مغموم نعیمہ نے جو خط طاہر کو تحریر کیا تھا چاک کر دیا اور سو گئی صبح نمودار ہوئی وہ اٹھی اور اپنی سہیلی ستارہ کو بلایا ۔ تم نے کسی سے محبت کی تھی ۔ نعیمہ نے پوچھا ۔ ہاں محبت ——— محبت تو ایک آفت کا نام ہے ۔ ستارہ نے تبسم آمیز لہجہ میں کہا ۔ ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ سوداگر صاحب کمرے میں داخل ہو گئے ۔ کیوں نعیمہ کیا ہوا ؟ سوداگر صاحب نے پوچھا کچھ نہیں ابا جان ؟ نعیمہ نے نفی میں جواب دیا۔

سوداگر صاحب چلے گئے ۔ طاہر نے مکان پہونچتے ہی ایک خط نعیمہ کے نام تحریر کیا اور اس کو پہونچا دیا ۔ ستارہ نے خط نعیمہ کو لا کر دیا اور نعیمہ اس کو حیرت سے پڑھنا شروع کیا ۔ خط پڑھنے کے بعد نعیمہ کو بہت دکھ ہوا اور خاصکر اس سطر سے کہ مجھ کو بھول جاؤ ——— زمانہ گذرتا گیا طاہر کی آمد و رفت سوداگر صاحب کے یہاں بہت کافی ہو گئی اور وہ نعیمہ کی محبت میں اپنی گرفتاری بھی بھول گیا ۔ پولس طاہر کی گہری سراغرسانی کر رہی تھی ۔ آخر ایک روز تقریباً دن کے ۶ بجے طاہر سوداگر کے یہاں بیٹھا ہوا چائے نوشی کر رہا تھا کہ کسی مخبر نے طاہر کی خبر پولس کو کر دی پولس خبر پاتے ہی سوداگر صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا ۔ اف ! پولس سوداگر نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا ——— طاہر تم کہیں چھپ جاؤ ——— سوداگر نے کہا ۔

آپ نہ گھبرائیں ۔ ابھی یہ فقرہ کہا ہی تھا کہ پولیس نے طاہر کو دیکھ لیا اور گرفتار کر لیا ۔ طاہر نے اپنے آپ کو پولس کے حوالہ کر دیا ۔

یہ افسوسناک واقعہ دیکھ کر نعیمہ کو بہت رنج ہوا وہ اپنے کمرے کے روشن دان میں سے یہ تمام کارروائی دیکھ رہی تھی ۔ اور طاہر ———

صنفِ نازک سے متعلق!

آپ نے پوچھا تھا کہ

(س) میں بہت دنوں سے سوچ رہی ہوں مگر ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ آیا ساری زیادہ وجہ زیب ہوتی ہے یا شلوار اور چھوٹی مہری کا پائجامہ وغیرہ کیا آپ اس سلسلہ میں میری کچھ رہنمائی کر سکتے ہیں۔

مس سلام جمالی مدراس۔

(ج) ساری لباس اور فیشن کا مسئلہ صنفِ نازک کے سامنے ہمیشہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے صنفِ نسواں کی اپنی بڑی خواہشوں میں سے ایک بڑی خواہش یہ ہے کہ اس کی زیب و زینت میں اضافہ ہو معاف کیجئے یہ آپ ہی کی خصوصیت نہیں ہے اور اس لئے آپ برا نہ مانیں ہم آپ کو موردِ الزام نہیں گردان رہے بلکہ اصلاً صنفِ نازک کی ذہنیت ہی یہ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ہمارے ماحول ہی نے ان کی یہ ذہنیت بنا دی ہے۔ بہرحال یہ ذہنیت موجود ہے اور اس لئے یہ سوالات ان کے دماغ میں بہت پیدا ہوتے ہیں۔ نظر بریں اگر آپ کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔

ساری کی جاذبیت زیادہ ہے یا شلوار (یا پائجامہ وغیرہ کی) - یہ سوال بہت دقیق ہے اس لئے کہ مختلف ماحولوں اور مختلف حالات میں اس کے جواب مختلف ہوں گے۔ اور مختلف ہونے چاہئیں اس لئے کوئی قطعی رائے ہرگز قائم نہیں کی جا سکتی تاہم متعدد اعتبارات کو اگر نظر میں رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ساری دوسرے لباسوں کے برعکس زیادہ جاذبیت اور زیادہ افادیت رکھتی ہے۔ ستر پوشی تو دوسرے لباسوں کے برعکس ساری میں کہیں زیادہ ہے لیکن ستر پوشی سے قطع نظر ساری میں ایک خاص قسم کی نمایاں جاذبیت بھی پائی جاتی ہے جو جمالی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ موثر ہوتی ہے لیکن دوسرے لباسوں میں عام طور پر ہیجان انگیزی کا عنصر زیادہ ہے ہیجان انگیزی کے نکتے پر خاص توجہ دیجئے۔ اس لئے کہ لباس میں امتیازی چیز ان کی نفاست ہی ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے خیال میں نفاست بہتر ہے اور وہ ساری میں بمقابلہ دوسرے لباسوں کے زیادہ ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ساری ان سے بہتر ہے کہ ہیجان انگیزی بہرحال پسندیدہ چیز نہیں۔ نہ ہی معاشرتی نقطۂ نظر سے نہ کسی مقررہ اخلاقی قواعد کی رو سے۔

(س) میں اردو شاعری میں وہ لطافت اور رنگینی نہیں پاتی جو ہندی شاعری میں مجھے محسوس ہوتی ہے۔ کیا آپ اس کا سبب بتا سکتے ہیں

(مس احسن سراج پٹیالہ)

(ج) اردو اور ہندی شاعری میں بعض حیثیتوں سے یقیناً فرق ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ فرق ہندی کے فائدہ میں ہے۔ بات یہ ہے کہ اب تک اردو شاعری میں محبوب اور محب دونوں مرد رہے ہیں اور یہ چیز جس قدر قابلِ نفرت ہو سکتی ہے اس کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو جمالیات سے ذرا سی بھی دلچسپی رکھتا ہے مرد کو مرد کا محبوب قرار دینا اصلاً نشانی تھا۔ اس کے گرے ہوئے اور تباہ حال تمدن کی جو مسلمان قوم پر چھایا ہوا تھا۔ اسی کا یہ اثر ہوا کہ فارسیت کا یہ افسوسناک ورثہ اردو کو پہنچا اور اس نے اردو شاعری کو بھی خراب کر دیا یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری میں وہ کیف و اثر باقی نہیں رہا جو اس میں ہونا چاہئے تھا ہرچند کہ نئے ادبی رجحان نے اسے تقریباً بالکل ختم کر دیا ہے تاہم کچھ نہ کچھ بقیہ اثر ابھی تک باقی ہے اور وہ اردو شاعری کے لئے ایک تکلیف دہ یادگار کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے بالکل برعکس ہندی شاعری میں محبوب مرد مگر محب عورت کو قرار دیا گیا ہے جس کا یہ اثر ہے کہ ہندی شاعری عورتوں کو زیادہ اپیل کرتی ہے اور اس میں صنفِ نسواں پر اثر ڈالنے کی طاقت زیادہ ہے۔ ان دونوں کی درمیانی راہ عربی شاعری کا نظریہ ہے۔ عربی شاعری میں محبوب عورت اور محب مرد ہے اس لئے عربی شاعری مردوں میں زیادہ پسند کی جائیگی چنانچہ آجکل اردو شاعری پر عربی کا نظریۂ محبوبیت حکمرانی کر رہا ہے بلکہ اس زمانہ کے تو کثیر مرد شاعر اپنی محبوبہ کے لئے سلمیٰ اور عذرا کے نام پسند کرتے ہیں یہ صرف عربی کا ہی اثر ہے۔ بہرحال آپکا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ آپ کے لئے ہندی شاعری میں زیادہ اپیل ہے۔ ہونی چاہئے۔ البتہ چند عورت شاعروں نے اب یہ کوشش شروع کر دی ہے کہ وہ اپنا محبوب

اِنسان کب فارغ التحصیل ہوتا ہے

شہاب دہلوی
ایڈیٹر رسالہ الہام

عوام کی اصطلاح میں انسان علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد فارغ التحصیل کہلاتا ہے۔ خواہ اس نے درسی کتب کا ہر لفظ رٹ لیا ہو یا معنی ومفہوم بدرجہ اتم ذہن نشین کیے ہوں۔ بادی النظر میں تو یہ کلیہ صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقی معنوں میں اس کا نام فارغ التحصیل ہونا نہیں۔ جس طرح دنیا میں انسان کے سن بلوغ کو پہنچنے کی ایک حد مقرر ہے۔ بالکل اسی طرح ہم درجہ فارغ التحصیل مطالعات عالم کی حرف شناسی کا تکملہ ہے۔

اس عالم موجودات کا ذرہ ذرہ اپنی زبان حال سے ہر شام و پگاہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ ہمارا مطالعہ کرو۔ ہمارے سینوں پر وہ اسرار درج ہیں جو ابتدائے آفرینش سے اب تک انکشاف واظہار کے محتاج ہیں۔ ہمیں ذرہ ناچیز نہ سمجھو؟ بلکہ متجسس نگاہیں اور معنی یاب اذہان جہاں دیکھتے ہیں اپنے وہ سینے جو صحیفۂ اسرار اور گنجینۂ طلسم ہیں بے تکلف کشادہ کر دیتے ہیں اسی طرح تمام اشیائے عالم کا یہی تقاضا ہے

ذرّے میں بھی مشاہدۂ مہر و ماہ کر
ہر چیز پر فراخ دلی سے نگاہ کر

لہٰذا اب ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان مہد سے لے کر کس عہد تک فارغ التحصیل ہو سکتا ہے۔ اور طالب علمی کس زمانے تک سزاوار ہے۔ جہاں تک ہمارے روزانہ کے مشاہدوں کا تعلق ہے انسان کسی وقت بھی از ابتدا تا انتہا فارغ التحصیل نہیں۔ جب سے پیدا ہوا ہے اور جب تک زندہ رہے گا طالب علم ہے۔ ہمارے سامنے بیشمار علمائے عالم کی ... علم تحقیق کے ... خضر ...

ہی اس مدرسہ ہستی کا طالب علم رہتا ہے۔ دنیا کی ہر عنصر سے معمولی شے کا بھی اگر انسان بغور مطالعہ کرے تو بہت سے مفید ترین خواص اور پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ دنیا میں کوئی تصویر ایسی نہیں جس کے کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ ہزاروں رنگ نہ ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنے کے لئے تربیت یافتہ ذہن کی ضرورت ہے۔ جسے آپ اور ہم فارغ التحصیل کہتے ہیں وہ محض ذہن کی تربیت ہے۔ تکملۂ علم ہرگز نہیں۔ اگر انسان کی نگاہ سطحی طور پر ذرے کو ذرہ اور خورشید کو خورشید کہنے کے علاوہ اور کچھ سمجھنے کی قطعاً اہلیت نہیں رکھتی۔ جب تک کہ یہ نگاہ علم تحقیق کی طالب نہ ہو۔ چنانچہ ذہن و نگاہ حرف شناس ہونے کے بعد حق شناس ہونے چاہئیں اور اسی زمانہ میں جبکہ ذہن و نگاہ حق شناسی کی تلاش میں ہوں صحیح معنوں میں طالب علم ہوتے ہیں۔

ہر نقش ستارہ ہے ہستی کی نگاہ گذریں جب تک کہ معنویت پیدا ہو نظر میں

یعنی جس طرح ہر عبادت کے لئے معنی خیز ہونا عام دستور کے مطابق ضروری ہے۔ اسی طرح فارغ التحصیل ہونے کے بعد انسان کی نگاہ کو بھی معنی خیز ہونا چاہئے۔

ہمارے زمین و آسمان کے ذرہ سے لیکر خورشید تک ہر چیز معلم ہے۔ اور ہم سے طالب علمی کی سفارش کرتی نظر آتی ہے۔ جن لوگوں نے خود کو تا بہ حباب طالب علم سمجھا وہ معلم عالم اور حکماء و فلسفی کے واجب الاحترام ناموں سے موسوم ہوئے۔ ان بزرگوں نے اشیاء کے تجزیہ و امتزاج اور تحقیق و تفحص سے جو محیر العقول ... اور نظریے پیش کئے۔ وہ ہمارے ...

... ذرائع سے ہم کو فائدہ پہنچایا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے آئندہ آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچائیں۔ ہمیں طالب علم رہنے کی ضرورت ہے۔ فارغ التحصیل ہم کسی عہد میں نہیں ہو سکتے

جنہیں نہیں ہے مذاق مشاہدہ جو ...
وہ کس نظر سے جہان خراب دیکھیں گے

عورت اور سماج

رسم کی خاطر کہیں ناقدریاں بے جوڑ میل
ظلم کے ہاتھوں کہیں بے ربطیوں کی ریل پیل
ہائے دے عالم پہ یوں ہے لطف عورت منتشر
جیسے کانٹے دار جھاڑی پر کوئی پھولی ہو بیل

عارف عزیزی

نوکرشاہی قدموں پر

مترجم محمد اشرف جنگی لغیر آبادی

ایک شخص معمولی کپڑوں میں ملبوس روس کے ایک چھوٹے سے شہر میں دیوانوں کی طرح گھوم رہا تھا۔ ایک نوکرشاہی شاندار وردی پہنے گذر رہے۔ معمولی کپڑوں میں ملبوس شخص نے پوچھا۔

"جناب یہ سڑک کس جگہ جائیگی۔" نوکرشاہی ایک معمولی آدمی سے اچانک پتہ پوچھنے پر متعجب ہوا۔ نوکرشاہی نے سگریٹ کا ایک لمبا کش پائپ کے ذریعہ لینے کے بعد ایک حقارت آمیز لہجے میں کسی نہ کسی طرح پتہ بتا دیا اس نے پھر عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو ایک تکلیف اور دینا چاہتا ہوں کیا آپ اجازت دیں گے" مغرورانہ انداز میں کہا ـــــ کیا۔

"آپ کون سے عہدہ پر سرفراز ہیں"

"تم خود ہی اسکا تخمینہ کرو" (نفرت کیساتھ)

"لفٹننٹ"

"اس سے بہت اونچے درجے پر" (ایک مغرورانہ قہقہہ لگا کر)

"کیپٹن"

"نہیں" ـــ "اور بھی بڑھے جاؤ"

"میجر"

"نوکرشاہی ایک روکھی ہنسی ہنسا اور اس شخص نے عزت کے ساتھ سلام کیا۔ نوکرشاہی نے ہنستے ہوئے کہا:

"تم کیا کرتے ہو"

"آپ خود اندازہ لگائیے" (اس نے جواب دیا)

"لفٹننٹ"

"کچھ اور اوپر کو بڑھئے"

"کیپٹن"

"نہیں"

"میجر"

"کرنل"

"تھوڑی ہی کسر اور رہ گئی ہے"

"مغرور نوکرشاہی کے منہ سے سگریٹ کا پائپ گر پڑا اور لرزتے ہوئے آواز میں کہا ـ کیا ـ آپ جنرل ہیں"

"تم بہت قریب آپہنچے ہو دوست"

"کیا ـ آپ فیلڈ مارشل ہیں"

"ایک بار اور کہو دوست" ایک مسکراہٹ کیساتھ معمولی کپڑوں میں ملبوس دیوانوں کی طرح پریشان شخص نے کہا ـ اس کے بعد مغرور نوکرشاہی گھٹنے کے بل ہو کر عاجزانہ لہجے میں کہا؛

"آپ شہنشاہ روس فرسٹ الکزینڈر ہیں" روتے ہوئے رک رک کر کسی طرح جملے کو ادا کیا۔

"آپ مجھے معاف فرمائیں مجھ سے غلطی ہوئی ہے"

"الکزینڈر نے کہا اے میرے عزیز دوست اس میں معافی اور غلطی کا کوئی سوال نہیں میں نے تم سے راستے کا پتہ پوچھا تھا تم نے بتا دیا لہذا میں تمہارا بہت ممنون ہوں اچھا خدا حافظ کہہ کر اسی سڑک کے کنارے دیوانوں کی طرح پریشان حال روانہ ہوگیا۔

یہ ہے سینما

نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ بمبئی

روپی ۰۰ کی تکمیل کے بعد نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ کے ڈائرکٹر مسٹر محبوب یا تو خود ہی اپنے مجوزہ تاریخی شاہکار "ہنٹوک اعظم" کی مہورت کریں گے۔ یا پھر ایک نیا دستش شاہکار بنائیں گے جو سر نیشنل فلموں کی تاریخ میں اپنی جملہ خصوصیات کے لحاظ سے نادر روزگار کہلانے کا مستحق ہو۔ بہرحال ان دونوں فلموں میں سے جو بھی تیار کیا جائے گا اس کے مکالمے وگانے علامہ آرزو لکھنوی کے کاوشِ دماغ کے بیش بہا حاصل ہوں گے۔

"روپی" میں اختری فیض آبادی علامہ آرزو صاحب کی جو غزلیں ساحرانہ انداز میں ادا کی ہیں وہ "روپی" فلم کی جان کہی جائے گی۔

حیدر سوہن مختار ستارہ کا کیریکٹر اس میں جس خوبی سے پیش کیا گیا ہے وہ اپنی مثال کہا جائے گا۔

اُجالا

مسٹر ایم۔ اے۔ مغنی کی اولین پیش کش 'اجالا' ہر جگہ مقبول ہو رہی ہے چنانچہ یہ لاہور میں شاندار پانچویں ہفتے میں اور کانپور میں تیسرے ہفتہ میں ہے۔

اس میں نسیم۔ پرتھوی راج۔ رتن بائی۔ مبارک اور مرزا مشرف نے خوب کام کیا ہے اور اس کی اسٹوری مسٹر مغنی کے پر زور قلم کا نتیجہ ہے۔

خاندان

پنچولی آرٹ کی بہترین سوشل پکچر 'خاندان' جس کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا

۷ مئی سے موتی سینما دہلی میں ریلیز کی جا رہی ہے لاہور سے اب تک جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان ہر طبقہ میں مقبول ہوئی ہے

خیال ہے کہ یہ تصویر دہلی میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کرے گی

واڈیا مووی ٹون پکچرز دہلی

[illegible] کی [illegible] فلم 'راجہ بدلی' مقامی منروا میں [illegible] کامیابی سے دکھائی جا رہی ہے۔ شائقین فلم نے اس فلم [illegible] کو [illegible] سادہ اور بلند پایہ پیش کش کو از حد پسند کیا ہے [illegible] فلم کی ڈائرکشن مسٹر اے۔ ایچ۔ نقوی نے کی ہے۔

اداکاروں میں [illegible]۔ مظہر خاں۔ مایا دیوی۔ ترلوک وغیرہ کام کرتے ہیں

پردہ نشین

ہندوستان فلم کارپوریشن کی پہلی تصویر جس میں ہندوستانی عورت کے پردہ پر دلچسپ بحث کی گئی ہے بہت جلد میجسٹک سینما میں نمائش کے لئے پیش کی جانے والی ہے اس میں ڈائرکٹر حافظ جی نے بہت سے مزاحیہ ٹکڑے اس قسم کے جمع کئے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

آدھار

گیتا پکچرز کی پہلی پیش کش "آدھار" نصف کے قریب مکمل ہو چکی ہے۔ ڈائرکٹر مشری ہر حیثیت سے تصویر کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

مادری

ڈائرکٹر مظہر خاں کی دلکش تاریخی تصویر 'مادری' شوٹنگ کے آخری مراحل پر ہے بمبئی کے فلمی مبصرین کا بیان ہے کہ مادری ہر نوع کامیاب پکچر ہے اور فاضل ڈائرکٹر کے نکتہ رس فکر و فہم کی زندہ مثال کہی جا سکتی ہے توقع کی جا رہی ہے کہ مادری بہت جلد کمرۂ تدوین میں جانے والی ہے۔

مسٹر مغنی جو اپنی کمپنی کے سلسلے میں تشریف لائے تھے وہ ایک ہفتہ دہلی میں قیام فرما کر بمبئی واپس چلے گئے ہیں

گھر کی لاج کی افسوسناک ناکامی

سن رائز پکچرز کی تصویر گھر کی لاج دہلی میں ریلیز کر دی گئی۔ یہ تصویر اصلاحی ہے۔ اس میں سٹہ بازی اور جوئے کے نقصانات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تصویر کے اداکار نہایت اچھے ہیں اور انھوں نے نہایت کامیابی سے کام کیا ہے۔

جگدیش سیٹھی۔ نذیر۔ شانتا ہبلیکر۔ کلیانی اور مرزا مشرف اس کے خاص اداکار ہیں۔ بہرحال تصویر اچھی ہے مگر اس کی پبلسٹی اس قدر ناکارہ ہوئی ہے کہ عوام پوری طرح جانتے ہی نہیں کہ گھر کی لاج کوئی تصویر ہے اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری "لوڈ" ائرکٹر دیاس پر ہے۔ اس لئے کہ وہ پبلسٹی کی اہمیت ہی سے انکار کرتا ہے اسے اردو سے قطعی نفرت ہے۔ اور وہ اس حقیقت کو بھی بھولا ہوا ہے کہ شمالی ہند میں اردو پریس کا اقتدار ہے۔ اور یہاں اُردو میں پبلسٹی نہ کرنا تصویر کو ناکامی و گمنامی کے گڑھے میں ڈالنا ہے۔ بدترین اتفاق یہ کہ شمالی ہندوستان کے تقسیم کنندگان نے بھی پبلسٹی کے معاملہ میں پرلے درجہ کی خود پسندی اور اُردو دشمنی کا ثبوت دیا ہے اگر پروڈیوسر نے حقیقت سے منہ موڑ لیا تھا تو ڈسٹری بوٹرز کا فرض تھا کہ تصویر کو ابھارنے کے لئے پبلسٹی کرتا۔ ہمیں افسوس ہے کہ گھر کی لاج ایک اصلاحی تصویر ہونے کے باوجود ناکام ثابت ہوئی۔ اور اس خیال کے لوگوں کو اچھا خاصا درس دیتی۔

غریب

غریب ایک انقلابی تصویر ہے۔ نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ کی تصویر غریب مقامی سینما نادلٹی میں ۲۲ اپریل کو نمائش کے لئے پیش کر دی گئی۔ تصویر کا رجحان انقلابی ہے اور اس کی کہانی مزدور اور سرمایہ دار کے اہم مسئلہ سے بحث کرتی ہے۔ امید ہے کہ غریب دہلی میں کافی مقبول ہوگا۔

منشی کمال

مغنی کے ساتھ غداری کر کے منشی کمال نے یہ سوچا تھا کہ زمانہ دریں پر بھی چھا گیا ہے یہی وجہ تھی کہ اردو پریس کی توہین کرتے وقت اسے اپنی حیثیت کا بھی احساس نہ رہا اور ساڑھے آٹھ سو کی نوکری ملتے ہی اس کے دماغ کی چولیں اتنی کھسک دیں کہ وہ ٹھرا پینے والے حواس باختوں کی طرح اول فول بکنے سے بھی باز نہیں رہا۔ منشی کمال کا یہ کہنا کہ "وہ اردو اخبار کو خطاب کرنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہے"۔ بدترین قسم کی غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ یہ اس منشی کے الفاظ ہیں جسے علم و ادب کی شائستہ محفلوں میں کبھی بھی کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اور جس کی زندگی ادب عالیہ سے اتنی ہی دور رہی ہے۔ جتنا کوئی راندۂ ہوش وخرد سے۔ اس کے برعکس شہرت پسند منشی کو اردو اخبارات کے دفتروں کے چکر لگاتے ہوئے بہت سی ہم رنگ نگاہوں نے دیکھا ہے۔ متعدد رسائل کی ردی کی ٹوکریوں میں اس کے پھسپھسے مضامین دیکھے جا سکتے ہیں۔ کمال کی مکالمہ نویسی تو مغنی کی آستین میں پلی ہے۔ یہ مغنی کی علم دوستانہ گنا ہگار یاں ہی تھیں جنہوں نے کمال کا مکالمی سراپا ترتیب دے کر تاج محل پکچرز کی اُنچان پر لا بٹھایا۔ ہو سکتا ہے کہ اور چند ہفتے ساڑھے آٹھ سو مغنی دشمنی کے طور پر احسان کش آقاؤں کی بارگاہ سے مل جائیں۔ لیکن تاج محل پکچرز کے دم توڑنے کے بعد اس سے پوچھا جائیگا کہ آٹھ سو نو سو اور ایک ہزار کس طرح لئے جاتے ہیں۔ یہ اردو اخبارات کے کالموں ہی کا صدقہ ہے کہ ایک جاہل۔ کندۂ ناتراش اور مہمل منشی آج منشی کمال بنا بیٹھا ہے

ہمیں قطعی طور پر منشی کمال کے معاملہ کو پریس کے سامنے رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی اگر اس شتر مرغ منشی نے کسی فرد کو برا بھلا کہا ہوتا اور اردو پریس کی توہین نہ کی ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ نسیم دلی جانے کے بعد اس جاہل منشی کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ اگر اُردو اخبارات احسان و نسیم کے رنگ میں بھنگ نہ ڈال دیتے اور مغنی کی حمایت میں تاج محل پکچرز کو دفن نہ کر دیا جاتا تو وہ مغنی سے غداری کا صلہ "براہ راست ڈائرکٹ کرنے" کی صورت میں پا لیتا۔ لیکن اردو پریس نے منشی کی تمام و کمال امیدوں کے تاج محل مسمار کر کے رکھ دیئے۔

ہمارے خیال میں تنگ نظر منشی انتقام کی سلگتی ہوئی آگ میں عقل کو بھی جھونک چکا ہے۔ ورنہ وہ اردو پریس کو چھیڑنے کی جرات نہ کرتا اور فکر و فہم سے کام لے کر سوچتا کہ جو اردو پریس تاج محل پکچرز کو میٹھی نیند سلا سکتا ہے اس کے سامنے ایک امرودی جیسے کی کیا حقیقت ہے۔

پٹولا

موڈرن پکچرز کی اولین پنجابی تصویر 'پٹولا' کی شوٹنگ نہایت زور شور سے جاری ہے۔ اس میں پاپکرو خورشید کے علاوہ امرنا مدھر امیر بانو۔ غوری نمایاں طور پر اداکاری کر رہے ہیں۔

تاج محل پکچرز کی المناک موت

ذرا سمجھ کے بتانا کمال کے معنی ؛ کمالِ نقص کو بھی تو کمال کہتے ہیں

فلمی دنیا میں یہ خبر بڑے قلق کے ساتھ سُنی جائے گی کہ وہ تاج محل پکچرز جس سے ملک کو خاص توقعات تھیں اور جسے صحیح معنی میں نسیم صبح سے زیادہ لطیف ہونا تھا اپنے ناخداؤں کی عیش پرستی اور کچھ منشی قسم کے لوگوں کی چیرہ دستیوں کے پیش نظر اپنی موت سے پہلے ہی دم توڑ کر رہ گئی — اور بہت سے بے کمال عمر فی نوالوں کو بھی بے موت مار گئی جو آئندہ رنگین زندگی کے خواب دیکھ رہے تھے۔

سُنا ہے یہ منشی اب قصیدے الاپنے کی بجائے درد بھرے مرثیے لکھ کر مجاوری کے فرائض انجام دے رہا ہے تاکہ پری چہرہ تاج محل پکچرز کی یادگار پردۂ سیمیں کی تاریخ میں نہیں تو کچھ احسان مند داغوں تک ہی محفوظ رہ جائے ——— مُردوں کے خلاف لکھنا چونکہ مناسب نہیں ہے اس لیے اب تاج محل پکچرز کے خلاف چنگاری وہی اخلاقی سلوک روا رکھے گا جو مُردوں کے لیے روا رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن مرنے والی نے چونکہ اپنے تین وارث اس لاوارث دنیا میں چھوڑے ہیں جو اُس کے تابوت پر دُھونی رما کر تمام عمر آنسو بہاتے رہیں گے۔ اس لیے ہم تالیف قلب کے لیے ان کو ثواب ضرور پہنچاتے رہیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ان وارثوں میں ایک ناز بردار، ایک جاہل منشی اور ایک .... ٹھیکیدار شامل ہے۔ چونکہ تاج محل پکچرز کا سراپا گناہگاریوں، ستم ظریفیوں اور سرشوریوں کا مجموعہ تھا اور اُس کی خوفناک موت کے بعد اُس کی روح کا رواں دواں پھرنا قرین قیاس ہے اس لیے ہم یہ نوٹ "ردِّ بلا" کے طور پر سپرد قلم کر رہے ہیں تاکہ کوئی یزیدی رُوح بمبئی کی گھر بار فضا میں آوارہ پھر رہی ہو تو دوست احباب اس پر پھٹکار کر سکیں۔

پردہ نشین

میں بدیشی کلچر اور دیسی صورت حال پر گہری نظر ڈال کر بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی عورت مشرقی فضا ہی میں سکون حاصل کر سکتی ہے۔ یہ اصلاحی تصویر ہر محب وطن کے احساسات کی ہوبہو تصویر ہے اور ہر طبقے کے لوگوں کو اپیل کرتی ہے۔

بہت جلد بمبئی کے سینما میں نمائش کے لیے پیش کی جائیگی

سلور فلمس کی پہلی پیش کش "جھنکار"

سلور فلمس کی پہلی زیریں پیش کش جو کہ بہت جلد پردۂ سیمیں کی زینت بننے والی ہے کا اُردو نام "جھنکار" تجویز ہوا ہے۔ فلم کی شوٹنگ برابر جاری ہے۔ مسٹر خلیل ہندوستان کے جوان سال ڈائرکٹر "جھنکار" میں وہ تمام خوبیاں یکجائی طور پر بھر دینا چاہتے ہیں۔ جنکی کہ آجکل اشد ضرورت ہے اس فلم کے نغمے آپ کی روح کے لیے مکمل کیف ہونگے جنہیں سلولائڈ کے ٹکڑوں میں نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ سمویا گیا ہے۔

اداکاروں میں چند رموہن کی زندگی کا نیا رول کماری کی متانت پرمیلا کی شوخ اداکاری، آزوری کا دلکش رقص اور گوپ تمسخر کے علاوہ "جھنکار" کے ذریعہ سلور فلمس تین نئے چہرے۔ شوکت۔ ولارتے اور الطاف کو پردۂ سیمیں پر آپ سے روشناس کرائیگی۔

"جھنکار" کے دلکش گانے مسٹر ڈی۔ این مدھوک کی بلند پروازیوں کے بے حد نمونے ہیں۔

مالا موویٹون کی اوّلین پیش کش "موج" کے حقوق تقسیم شمالی ہند کے لئے میسرز سکسینہ اینڈ کمپنی دہلی کو دیئے گئے ہیں

۲۲
ساون کے نظارے ہیں آہا! آہا!
خزانچی کے خالق
دل سکھ ایم پنچولی کی اصلاحی پیشکش
خاندان
افسانہ و مکالمے سید امتیاز علی تاج
ڈائرکٹر شوکت حسین
جو آپ کے شہر کے کسی مقبول ترین سنیما میں عنقریب پیش کیا جائیگا
اداکاران
نورجہاں - غلام محمد - منورما - پران - اجمل - بیبی اختر - ابراہیم وغیرہ
تقسیم کنندگان: امپائر ٹاکی ڈسٹری بیوٹرز - دہلی - لاہور - کراچی
شانتا آپٹے کی نئی فلم
زمیندار
آرہی ہے
اداکار غلام محمد نارنگ ایم اسمٰعیل
لطیف موسیقی اور حسین رقص سے بھرپور
اترے پکچرز کی بہترین اصلاحی تصویر
RAJA RANI
ڈائرکٹر نجم الحسن نقوی
پروڈیوسر ون مالا
کہانی پنچل اترے
راجہ رانی
جگت سنیما میرٹھ دوسرا ہفتہ
رٹز سنیما شملہ پہلا ہفتہ
شمالی ہند کے تقسیم کنندگان
واڈیا پیراماؤنٹ پکچرز
دہلی - لاہور
جو منروا سنیما دہلی میں
چوتھے شاندار ہفتہ میں دکھائی جارہی ہے
اداکاران
ونمالا - مظہر خاں
ترلوک کپور - سنالنی
بابا - ڈیوڈ - یاگنیک وغیرہ
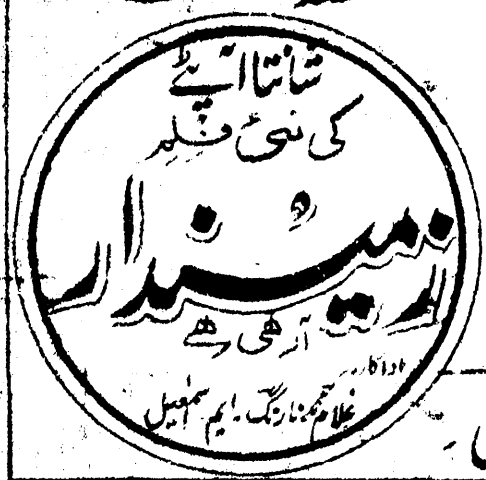
عبداللہ شمیم ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر اینڈ ڈائرکٹر نے انصاری پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر اخبار چنگاری جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

NATIONAL STUDIOS
غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا
نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ کا
نادر روزگار اور غریبوں کا علمبردار شاہکار
مشہور ڈائرکٹر مسٹر رامچند ٹھاکر اور مسٹر سریندر کا قابل قدر کارنامہ
غریب
پروڈیوسڈ بائی
محبوب
مس روز
مس وینا کماری
قاسم علی
انصاری
اُن غریب مفلس بیکار انسانوں کی عبرت خیز زندگی کا حاصل عبرت افسانہ ہے
جن سے موت بھی نفرت کرتی تھی
ناولٹی ٹاکیز دہلی میں
جمعہ ۲۴ اپریل سے شروع
آئندہ اشاہکار
عدالت عالیہ میں
مجرم اور بیگناہ انسانوں کا انصاف
دو زبانوں میں دو دلوں کی دلکش داستان محبت
نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ

یعقوب "آدھار" میں

ڈائرکٹر مظہر خان
"میری دنیا" میں

ڈائرکٹر مظہر خان کی اولین پیشکش "میری دنیا" میں میر

"میری دنیا" میں کوشلیا

گیتا پکچرز کی فلم "آدھار"
میں کوشیلا

CHINGARI URDU WEEKLY
DELHI

Regd. L. No. 4789.

ہفتہ وار چنگاری دہلی

Printed and Published by Abdulla Shamim at Ansari Press, Delhi
Only Cover Printed at the Bengal Press, Pul Bangash Delhi.

Vol. 4 | No. 10 | 22nd JUNE. 1942.

برطانوی آتشبار طیارہ شکن توپ جو دشمنوں کیلئے بیحد خطرناک ثابت ہورہا ہے -
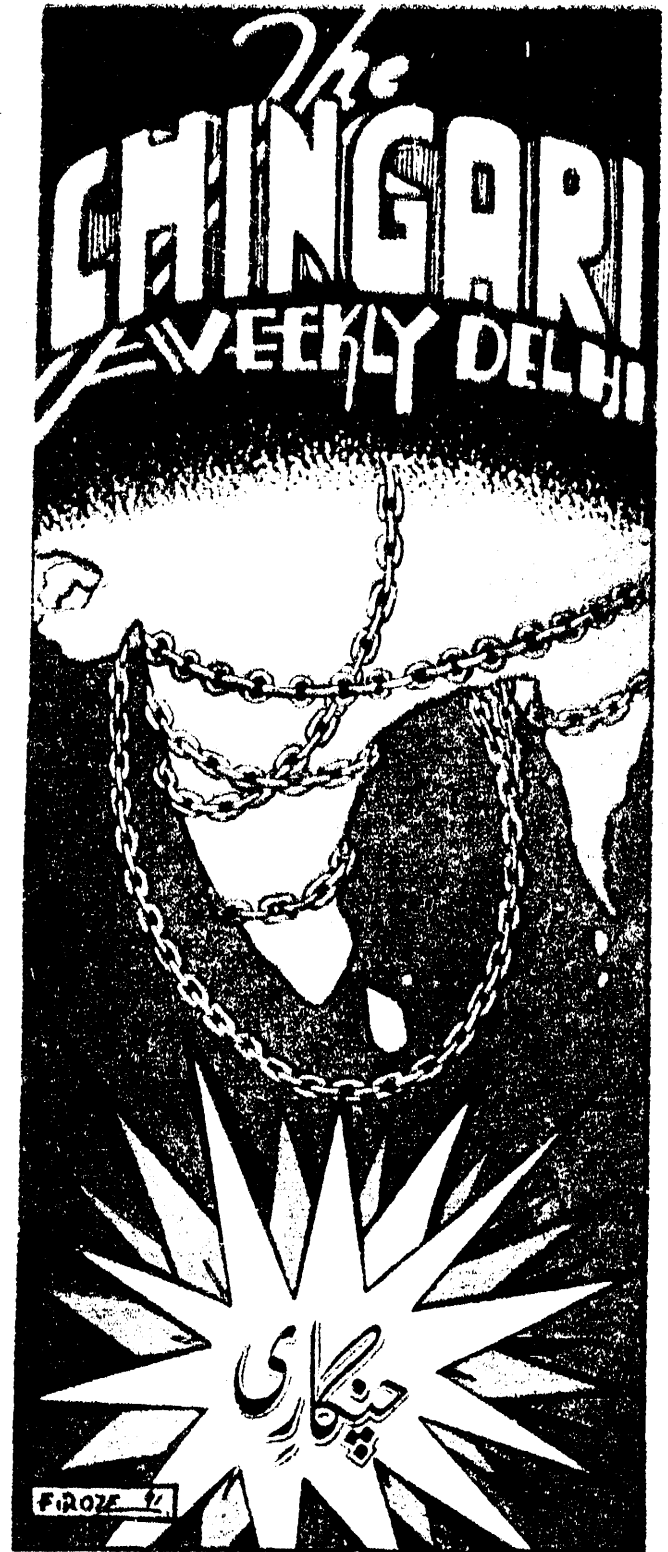
قیمت فی پرچہ دو آنہ

"شیفتہ" فلم "ایک رات" میں

ڈائریکٹر مظہر خاں کی اولین پیشکش [illegible] دنیا میں شوبھا اور کوشلیا۔

ہفت روزہ چنگاری دہلی
ایڈیٹر عبداللہ شمیم
جلد ۴ — مورخہ ۲۲ جون سنہ ۱۹۴۲ عیسوی — نمبر ۱

روس اور انگلستان کا معاہدہ

ترقی پسند طاقتوں کی کامیابی

حال ہی میں روس، انگلستان اور امریکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے۔ روس اور امریکہ کے درمیان معاہدہ کی رو سے یہ شرائط طے پائی ہیں کہ امریکہ روس کو زیادہ سے زیادہ سامان جنگ روانہ کرے گا۔ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ ۱۹۴۲ء میں یورپ میں دوسرا محاذ قائم کرنے کی تجویز سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں، اور جنگ فتح ہونے کے بعد امن اور تحفظ قائم کرنے میں روس کے ہم خیال ہیں۔ اسی طرح انگلستان کی حکومت نے بھی نازی جرمنی کو ختم کرنے کے لئے روس سے مکمل فوجی اشتراک کرنے کی تائید کی ہے، اور ساتھ ہی طے پایا ہے کہ جنگ کے بعد بھی بیس سال تک دونوں ممالک ایک دوسرے کی امداد کرتے رہیں گے۔

جو معاہدہ سوویٹ روس اور انگلستان کے درمیان ہوا ہے اس کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ نازی جرمنی کو ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو فوجی اور دیگر امداد دینے کے بارے میں ہے۔ دوسرے حصہ کا تعلق اس امر سے ہے کہ دونوں ممالک یعنی روس اور انگلستان کی حکومتیں نازی جرمنی کے ختم ہونے سے خود نازی جرمنی یا اس کے کسی ساتھی ملک سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کریں گی۔ شرائط کے تیسرے حصہ کی رو سے جنگ ختم ہونے کے بعد دونوں ممالک امن و امان قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور ظلم و استبداد کے خلاف جدوجہد کریں گے۔ دونوں ممالک دو اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گے ایک یہ کہ دوسرے ممالک پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، اور دوسرے دیگر ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے

چند اعتراضات

موجودہ معاہدہ کے بارے میں ہندوستان کے کچھ افراد اور اخبارات نے جو رائے پیش کی ہے وہ درست معلوم نہیں ہوتی بلکہ چند غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ بعض حضرات اس بات سے مطمئن نہیں ہیں کہ معاہدہ کی شرائط میں ہندوستان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، اور نہ ہندوستان کو اہمیت دی گئی۔ اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ جنگ کو ہندوستان کس طرح عوام کی جنگ کہہ سکتا ہے۔ دراصل اس قسم کے اعتراضات پست ذہنیت کے آئینہ دار ہیں۔ جو لوگ سچے وطن پرست ہیں، اور اپنے وطن کے لئے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں، ان کے خیال میں ہندوستان کی آزادی بطور تحفہ کے نہیں بلکہ عوام کے دباؤ اور جدوجہد سے حاصل ہوگی۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ معاہدہ میں صرف یورپ کا تذکرہ کیا گیا اور ایشیا کا کہیں نام تک نہیں آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایشیا کے اکثر ممالک جو پہلے سے مغربی اقوام کے غلام ہیں، غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈالے رہیں۔ جو لوگ فاشیت کے کیرکٹر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور ساتھ ہی انہیں موجودہ حالات کی رفتار کا علم ہے وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس وقت فاشی طاقتوں میں سب سے زیادہ خطرناک قوت نازی جرمنی ہے۔ نازی جرمنی آج دراصل دنیا کی فاشی طاقتوں اور ان سے ہمدردی رکھنے والے عناصر کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس وقت نازی جرمنی نہ صرف یورپ بلکہ تمام دنیا کے لئے بربریت، رجعت پسندی اور استبداد کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے سب سے پہلا اور اہم قدم یہی ہونا چاہئے کہ نازی جرمنی کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے فاشی ممالک مثلاً جاپان، اٹلی کی سرکوبی کرنا دشوار نہیں ہے۔ ہٹلر کو یورپ میں ختم کرنے کے بعد سوویٹ روس، چین، امریکہ اور انگلستان کی متحدہ طاقت جاپان کو ایک قلیل عرصہ میں کچل کر رکھ سکتی ہے۔ جو لوگ فاشیت کو دنیا کے لئے لعنت سمجھتے ہیں اور دنیا کو اس سے آزاد کرانا چاہتے ہیں انہیں تنگ نظری کو خیرباد کہہ کر موجودہ حالات اور اہم ضرورتوں کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔ موجودہ جنگ کے نتائج صرف یورپ ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر اثر انداز ہوں گے (جس میں ہمارا ہندوستان بھی شامل ہے)

بیرونی مداخلت

جہاں تک موجودہ جنگ میں فاشیت کو ختم کرنے کا تعلق ہے تو اس معاہدہ کی اہمیت مطلق فراموش نہیں کی جا سکتی چنانچہ روس کی بیرونی حکمت عملی پر اس سلسلہ میں کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ ختم ہونے کے بیس سال تک دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرنے کے متعلق معترضین نے غیر اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ کاش کہ انہوں نے یورپ کی گزشتہ بیس سالہ تاریخ سمجھ کر پڑھی ہوتی۔ ہمارے خیال میں موجودہ معاہدہ کو صرف گزشتہ بیس سال کی تاریخ کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے اسکے بعد ہی اس کے روشن پہلو ہمارے سامنے آ سکتے ہیں۔

بعض اخبارات اور ذمہ دار افراد نے موجودہ معاہدہ کا صرف تاریک پہلو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روس اب شرائط کی رو سے بیس سال تک مغربی ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا، اس لئے اس نے اپنا انقلابی رول ختم کر دیا ہے۔ اول تو روس سے یہ توقع رکھنا مناسب نہیں کہ وہ دوسرے ممالک میں انقلاب کراتا پھرے۔ اس کی ذمہ داری خود اس ملک کی جماعتوں پر ہے جو وہاں انقلاب چاہتی ہیں۔ ہندوستان میں کمیونسٹ خیال کے لوگ اگر روس سے دلچسپی رکھتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ روس سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں بھیجکر ہندوستان میں انقلاب کرادے۔ ان کے خیال کے مطابق ہندوستان میں انقلاب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب عوام اس کے لئے تیار ہوں، اور تیار کرانے کی ذمہ داری خود ان پر ہے اس لئے اس معاہدہ سے غلط نتائج اخذ کر کے روس کی بیرونی پالیسی کو مورد الزام قرار دینا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں ہمیں تصویر کے دوسرے رخ کو دیکھنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ گزشتہ بیس سال میں روس کے انقلاب سے اثر انداز ہو کر اکثر ممالک میں انقلاب کے آثار پیدا ہوئے لیکن دنیا کی سامراجی طاقتیں مثلاً فرانس، امریکہ اور انگلستان اسے برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں پولینڈ میں انہیں سامراجی طاقتوں نے وہاں کے اندرونی معاملات میں دخیل ہو کر ترقی پسند قوتوں کو دبا دیا۔ یہی حال اسپین اور چین کا ہوا۔ دراصل اندرونی معاملات میں دخیل ہونے والی طاقتوں کے مدنظر سامراجی مقاصد ہوتے ہیں۔ اس لئے موجودہ معاہدہ نے دنیا میں انقلاب کی قوتوں کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ اب دنیا کے کسی ملک کو سامراجی قوتوں سے خوف نہیں رہا کہ وہ انقلاب کو ناکامیاب بنانے کے لئے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں۔

مفید نتائج

ہم اس معاہدہ کی اہمیت کو موجودہ حالات کی روشنی میں ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور اس سے دوررس نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ معاہدہ آخری اور مکمل نہیں ہے۔ معاہدہ کی شرائط وقت کی ضرورتیں پوری کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یورپ کے علاوہ دنیا کے دیگر حصوں میں اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں کہ دنیا کے تمام ممالک کی آزادی کے لئے (جس میں ہندوستان بھی شامل ہے) روس علمبردار ثابت ہو۔

روس، انگلستان اور امریکہ کا معاہدہ حالات کی رفتار پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے عوام اور ترقی پسند قوتیں سامراجی نوکرشاہی اور رجعت پسند طاقتوں پر غالب آ رہی ہیں۔ وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے وہم و گمان میں نہیں آ سکتی تھیں اب دنیا کے سامنے پیش ہو رہی ہیں۔ موجودہ معاہدہ دنیا کے عوام کی فتح کی پہلی کامیابی ہے۔ دنیا کے حالات بتا رہے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد جبکہ دنیا سے فاشیت کی مصیبت دور ہو جائے گی، ترقی پسند اور انقلابی قوتیں ہر طرف چھا جائیں گی۔

حب الوطنوں کی رہائی کا مطالبہ

ہندوستان کی نوکرشاہی حکومت کی کمزوریاں دن بدن پریشان کن ثابت ہو رہی ہیں۔ موجودہ نازک حالات میں ہندوستان کی نوکرشاہی حکومت تمام ذمہ داریوں کا بار نہیں سنبھال سکتی۔ حکومت کی مشینری میں فوری تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ملک میں سیاسی جمود کی ذمہ داری زیادہ تر اسی نوکرشاہی حکومت پر ہے، جس کے ناعاقبت اندیش رویہ کی وجہ سے ابھی تک کوئی مفید حل نہیں نکل سکا ہے۔ موجودہ حالات جن میں دنیا کی نئی تاریخ مرتب ہو رہی ہے، ہماری نوکرشاہی حکومت کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ اس وقت بھی اپنی پرانی پالیسی پر عامل ہے۔

اس سلسلہ میں ملک کے حب الوطن سیاسی اسیران کو رہا نہ کرنا ناعاقبت اندیشی کی ایک روشن مثال ہے۔ ہم یہاں خاص طور پر چٹاگانگ، آرمری ریڈ اور لاہور سازش کے اسیران کی طرف حکومت ہند کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی حب الوطنی اور اصولوں کی ایمانداری کی وجہ سے جیل میں سڑ رہے ہیں۔ آج جبکہ برطانوی حکومت کے مقابلہ میں ہندوستان کو جاپان کے حملہ کا خطرہ ہے انہوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ جیل سے باہر ہوکر وہ اپنے ملک کی مدافعت میں حصہ لے سکیں۔ ان کی ایمانداری اور خلوص پر شبہ کرنا خود کو دھوکہ میں مبتلا کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ ہندوستان کے لیے بہادر سپوتوں کو ہندوستان کی نوکرشاہی حکومت ملک کی خدمت کرنے کا موقع نہیں دیتی اور ابھی تک انہیں جیلوں میں بند کر رکھا ہے۔ اسی طرح ہمارے سینکڑوں حب الوطن بھائی جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں، اور حکومت کی نظر میں وہ اب بھی خطرناک تصور کئے جاتے ہیں۔

ہم حکومت ہند سے ان تمام اسیران وطن کی فوری رہائی کا پُرزور مطالبہ کرتے ہیں، اور اسے مشورہ دیتے ہیں کہ وہ انہیں رہا کرکے حقیقت پسندی کا ثبوت دے۔ ہم حکومت کے سامنے ملایا، سنگاپور اور برما کی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں محض غلط پالیسی کی وجہ سے عوام کا پورا پورا تعاون حاصل نہ ہوسکا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان ممالک کی طرح ہندوستان میں خونریز داستان نہ دہرائی جائے۔

اس سلسلہ میں مختلف صوبوں خاصکر یو، پی اور بنگال میں سیاسی جماعتوں اور افراد پر جو سختیاں کی جا رہی ہیں ان کے متعلق بھی ہم حکومت کو یہ مشورہ دیں گے کہ اس قسم کے رویہ سے ملک میں اچھی فضا پیدا ہونا مشکل ہے۔

موجودہ حالات کا یہ تقاضہ ہے کہ حکومت اور عوام قریب تر آئیں اور متحد ہوکر آنے والے خطرات کا مقابلہ کریں۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب ملک کے حب الوطن افراد جیلوں سے باہر ہوں، اور سیاسی جماعتیں حکومت کی سختیوں سے آزاد ہوں۔ حکومت کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ حب الوطن افراد ہی ملک پر اثر رکھتے ہیں، اور وہی نازک حالات میں عوام کی رہنمائی کرسکتے ہیں۔ انہیں ان خطرات کا پورا پورا احساس ہے جو ہندوستان پر آنے والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیل سے باہر آکر بیرونی حملہ آور سے مقابلہ کرکے ملک کی خدمت کرسکیں۔ ہم حکومت ہند تک ملک کی اس مطالبہ کی آواز پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ وہ جلد از جلد فیصلہ کرے۔

گاندھی جی کے نقش قدم پر

کچھ روز ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے بیرونی ممالک کے اخبارات کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں گاندھی جی کی اس رائے سے پوری طرح اتفاق ہے کہ حکومت برطانیہ کو فوراً ہندوستان چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر ہندوستان پر جاپان نے حملہ کردیا تو ہندوستانی اس کا مقابلہ کریں گے لیکن ہم برطانوی حکومت سے اس وقت تک اشتراک نہیں کریں گے جب تک کہ ہندوستان مکمل طور پر آزاد نہ ہوجائے۔ حال ہی میں پنڈت جی نے گاندھی جی کے اس مطالبہ کی تشریح کرتے ہوئے پھر فرمایا ہے کہ برطانیہ کے ہندوستان چھوڑنے سے یہ مطلب نہیں ہو کہ ایک ایک انگریز اپنا بوریا بستر باندھ کر ہندوستان سے چلا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کچھ کئے بغیر حکومت برطانیہ ہندوستان کے ہاتھ میں تمام سیاسی اختیارات سپرد کردے۔

ہمیں پنڈت جی کے بیانات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے وہ اپنی تقاریر اور بیانات میں موقع بموقع بین الاقوامی حالات کا حوالہ دیتے تھے، اور ہم سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ بھی بین الاقوامی حالات پر منحصر ہے ہم ہندوستان کے مسئلہ کو بین الاقوامی مسائل سے علیحدہ نہیں کرسکتے حیرت ہے کہ آج پنڈت جی بھی گاندھی جی کی عینک پر لگا کر ہندوستان کے مسئلہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کانگریس کے بااثر افراد میں صرف پنڈت جواہر لال ایسے فرد ہیں جو اپنی نام نہاد روشن خیالی اور بین الاقوامی تجربہ کی وجہ سے کافی ہر دلعزیز رہے ہیں۔ ان کی ذات سے ہمیں یہ توقع تھی کہ وہ کانگریس اور ہندوستان کو گاندھی جی کی دقیانوسیت اور رجعت پسندی سے آزاد کرنے کے لئے جدوجہد کریں گے، لیکن افسوس ہے کہ پنڈت جی توقعات کے خلاف رفتہ رفتہ گاندھی جی کے آشرم کی پناہ لے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو گاندھی جی کے حوالہ کردیا ہے گاندھی جی کے اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ پنڈت جی کے بیانات بھی حقیقت سے بہت دور نظر آتے ہیں اور ہمیں ان میں جابجا تضاد نظر آتا ہے۔

اس وقت وقت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ گاندھی جی یا پنڈت نہرو حکومت برطانیہ کو ہندوستان چھوڑنے کا مشورہ دیں۔ اگر ہندوستان دوسرے بیرونی خطرات سے آزاد ہوتا تو اس آواز پر ہر حب الوطن لبیک کہتا۔ جہاں تک سیاسی اختیارات سونپنے کا تعلق ہے تو وہ صرف بیانات دیدینے سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ملکی اتحاد قایم کرکے اور مختلف سیاسی جماعتوں کو اپنے ساتھ لیکر ایک آواز سے مطالبہ کیا جائے۔

جو طریقہ گاندھی جی نے اختیار کر رکھا ہے اور جس کی پنڈت نہرو بھی تقلید کر رہے ہیں وہ ملک کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ محض ان کے غیر ذمہ دار بیانات سے جو عوام پر مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اور جاپان جیسے بیرونی حملہ آور کو تقویت ہو رہی ہے اس کی اہمیت کا انہیں احساس کرنا چاہیئے۔ موجودہ حالات عام حالات سے بالکل مختلف ہیں۔ اس وقت ہندوستان کے مسئلہ کو محض حکومت برطانیہ کی مخالفت کی روشنی میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پنڈت جی گاندھیت کے دقیانوسی اثرات سے آزاد ہوں اور حقیقت پسند بننے کی کوشش کریں۔

مزدوروں کا مفاد

ایک اطلاع کے مطابق حکومت ہند مزدوروں کے نمائندوں، کارخانہ کے مالکوں اور سرکاری افسران کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کرنے والی ہے کانفرنس منعقد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپس میں تعاون پیدا ہوسکے۔ کانفرنس ایک کمیٹی منتخب کریگی جس میں حکومت، مزدوروں اور سرمایہ داروں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹی ضروری معاملات میں حکومت کو مشورہ دیتی رہیگی۔ آجکل جبکہ جنگی صنعتوں کو فروغ دینے اور جنگی پیداوار بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ حکومت ہند کا یہ اقدام بہت مفید معلوم ہوتا ہے۔ جب تک جنگ ہندوستان سے بہت دور تھی اس وقت تک مزدوروں اور کارخانہ والوں کے درمیان جھگڑے زیادہ نقصان دہ نہ تھے، لیکن موجودہ حالات میں اس قسم کے جھگڑوں سے ملک کی صنعتی پیداوار پر مضر اثر مرتب ہوتا ہے۔ لیکن ملک کی پیداوار بڑھانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سرمایہ دار اپنی لوٹ کھسوٹ جاری رکھیں اور حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ سرمایہ داروں نے ابھی تک قانون اور حکومت کے سہارے بیجا فائدہ حاصل کیا ہے۔ مزدوروں نے ہڑتالیں کرکے اس کا جواب دیا، اور وہ ہر جگہ اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب ہوئے۔

جب سے جنگ نے نیا پلٹا کھایا ہے اور اس کی نوعیت عوامی جنگ ہوگئی ہے، تب ہی سے ہندوستان کے مزدوروں نے بھی اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کردی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اس وقت ان کا سب سے بڑا دشمن فاشزم ہے جو سرمایہ داری کی بدترین شکل ہے۔ اس لئے دنیا سے فاشزم مٹانے کے لئے وہ وقتی تکالیف برداشت کرسکتے ہیں، لیکن مزدوروں کے اس رویہ سے اندیشہ تھا کہ سرمایہ دار اپنے مفاد کی خاطر ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں یہ محض حسن ظن نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ صنعتی شہروں میں اکثر سرمایہ داروں نے مزدوروں کے خلاف پولیس اور قانون کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئے۔

حکومت ہند کے اس اقدام سے مزدوروں کے مفاد کا تحفظ ہونے کی امید ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مشورہ دینے والی کمیٹی میں مزدوروں کے نمائندوں کی اکثریت ہو۔ حکومت نے کمیٹی کا جو ڈھانچہ پیش کیا ہے اس میں مزدوروں کے نمائندے صرف چار ہیں۔ اس کے مقابلہ میں سرکاری اور سرمایہ داروں کے نمائندوں کی تعداد نو ہے۔ حکومت مزدوروں کے مفاد کا تحفظ کرنا چاہتی ہے، اور اسے ان کا تعاون حاصل کرنا ہے تو ایسی صورت میں نمائندگی میں اتنا ہی تناسب ہونا چاہیئے جتنا کہ ملکی پیداوار میں ان کا حصہ ہے۔

نازی مظالم

یورپ سے جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر ایک اس چراغ کی طرح جو بجھتے وقت بھڑک اٹھتا ہے اپنی طاقت کو سنبھالنے کے لئے انتہائی ظالمانہ ذرائع اختیار کر رہا ہے۔ یورپ پر نازیوں کے قبضہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں کے تمام عوام ہٹلر کے غلام بن گئے ہیں۔ اور انھوں نے اپنے ممالک کے تمام ذرائع نازیوں کے قدموں پر ڈال دیئے ہیں۔ دراصل مقبوضہ علاقوں کے عوام کو وہاں کے سرمایہ دار اور وطن فروش فاشی ذہنیت رکھنے والے حکمران طبقہ نے دھوکہ میں مبتلا رکھا۔ لیکن اب انھیں اس بات کا احساس ہوگیا ہے اور وہ نازی مظالم کے باوجود نازی مشن کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہٹلر کو روس میں کثیر نقصانات اٹھانا پڑے ہیں۔ ان کی تلافی اس کے لئے بہت مشکل ہے۔ اس کے برخلاف اتحادیوں کی طاقت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت ہٹلر کو ایک طرف تو اتحادیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف پیدا ہو رہا ہے اور دوسری جانب سے اپنی طاقت بڑھانے کی فکر ہے۔ اس مقصد کو پورا

کرنے سکتا ہے اس کی نظریں مقبوضہ علاقوں پر اٹھتی ہیں۔ لیکن وہاں عوام کے دلوں میں نازیوں کے خلاف آگ بھڑک رہی ہے۔ چنانچہ وہ ہر ممکن طریقہ سے صنعتی پیداوار کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور موقع پاکر نازی سپاہیوں اور افسران کو موت کے گھاٹ اتارتے رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہٹلر ان پریشانیوں کی وجہ سے پاگل بنا ہوا ہے ہائیڈریچ کے قتل ہونے کے بعد جو جرمن خفیہ پولس کا سب سے بڑا افسر تھا۔ ہٹلر کا غیض و غضب انتہا کو پہنچ گیا ہے چنانچہ جس علاقہ میں ہائیڈریچ مارا گیا۔ وہاں کے سینکڑوں بے گناہ مرد۔ عورتیں اور بچے جن کا اس قتل سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ نازی درندے اپنے مظالم سے اب بھی مطمئن نہیں ہیں۔ اور وہ اس علاقہ کی عورتوں اور بچوں پر محض ہائیڈریچ کا بدلہ لینے کے لئے انسانیت سوز مظالم ڈھا رہے ہیں۔ نازیوں کے مظالم یہیں تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ مقبوضہ علاقوں کی دولت کو سمیٹنے کیلئے وہ ہر قسم کے ناجائز ذرائع کر رہے ہیں۔ پولینڈ میں وہ عوام سے زبردستی کارخانوں میں اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام لیتے ہیں۔ اور انھیں قلیل اجرت تک نہیں دیتے نازی بھیڑیوں نے پولینڈ کی یونیورسٹی کے کئی پروفیسروں کو قتل کر ڈالا ہے مقبوضہ علاقوں سے نازی درندے پر امن شہریوں کو ریل گاڑیوں میں زبردستی ٹھونس کر جرمنی لاتے ہیں۔ اور ان سے کارخانوں میں کام لیتے ہیں

یہ واقعات تو نازی مظالم کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں، روس میں جو انھوں نے مظالم ڈھائے ہیں ان کی تاریخ میں مثال ملنی مشکل ہے نازیوں کے اس وحشی رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شکست کے تخیل سے گھبرا گئے ہیں وہ دن دور نہیں ہے جب کہ دنیا سے نازیت اور فاشیت کی لعنت دور ہو جائے گی لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تمام انسانیت پرست عوام کو چاہیئے کہ وہ متحد ہو کر ان انسانوں کو نازی وحشیوں سے آزاد کرائیں جو اس وقت ان کے زیر اقتدار آگئے ہیں۔

شعاعیں

دہلی کی دوکانوں کے ملازمین کا مطالبہ

دنیا میں ہر جگہ سماج دو طبقات میں بٹا ہوا ہے ایک سرمایہ دار طبقہ جس کے پاس ذرائع پیداوار ہیں اور دولت ہے۔ دوسرا وہ غریب طبقہ جس کے پاس سوائے محنت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کی زندگی اس طرح گذرتی ہے کہ وہ سرمایہ دار طبقہ کو اپنی محنت فروخت کر دیتا ہے۔ اور اس کے صلہ میں جو کچھ قلیل اجرت اس کو مل جاتی ہے اس سے اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالتا ہے پہلا طبقہ زیادہ سے زیادہ محنت لیکر کم سے کم اجرت دینا چاہتا ہے غریب طبقہ اپنی محنت کی پوری اجرت کا مطالبہ کرتا ہے۔ سماج کے اسی اندرونی تضاد کو طبقاتی کشمکش کہتے ہیں۔ ہم اس طبقاتی کشمکش کو مختلف شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ کارخانہ دار اور مزدور زمیندار اور کسان اور دوکاندار اور ملازمین دوکان۔ یہ سب دو متضاد طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ طبقاتی کشمکش تو اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے۔ جب ذرائع پیداوار چند افراد کی ملکیت کے بجائے کل سوسائٹی کے ہاتھ میں ہوں۔ مگر زندہ رہنے کے لئے محنت کرنیوالے طبقہ کو اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ حکومت سے متحد ہو کر اپنے معمولی مطالبات تسلیم کرا لیتا ہے۔ چنانچہ کارخانوں میں کام کرنے والوں نے قانون کے ذریعہ محدود دائرہ میں اپنے حقوق تسلیم کرائے ہیں۔ مثلاً اوقات اور اجرتوں وغیرہ کی بابت۔

تعجب ہے شہر دہلی میں جو ہندوستان کا دارالسلطنت ہے ابھی تک ایسے قوانین نافذ نہیں ہوئے جو محنت کش طبقہ کو سرمایہ دار کے مظالم سے نجات دلا سکیں۔ خاص طور پر شہر دہلی کی دوکانوں اور تجارتی اداروں کے ملازمین کی حالت ناقابل بیان ہے ان کے ابتدائی اور معمولی حقوق بھی بری طرح پامال ہو رہے ہیں شہر دہلی کی دوکانوں اور تجارتی اداروں کے ملازمین کی تعداد معمولی نہیں بلکہ کم از کم پچاس ہزار ہے۔ ان کے ساتھ محض ملازمین ایکٹ نہ ہونے کی وجہ سے جو سختیاں روا رکھی جاتی ہیں وہ اس بیسویں صدی میں قابل نفرین ہیں۔ ان ملازمین سے سولہ گھنٹے اور اٹھارہ گھنٹے تک کام لیا جاتا ہے۔ اور پھر تماشہ یہ ہے کہ اجرتوں کی کوئی شرح مقرر نہیں ہے یہ دوکان یا تجارتی ادارے کے مالک کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اٹھارہ گھنٹے کام لینے کے بعد جو چاہے اجرت دے ملازمین کی قلیل تنخواہوں کی ادائیگی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے۔ اکثر دوکانوں پر مہینے کی پندرہ بیس تاریخ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں کہیں تو دو دو اور تین تین روپے دیکر پورے ماہ کی تنخواہ ادا کی جاتی ہے سال بھر میں کوئی چھٹی نہیں دی جاتی۔ بیماری یا ضرورت کی حالت میں کسی روز نہ آنے پر تنخواہ منہا کر لی جاتی ہے معمولی سی بات پر جرمانے عائد کر دیئے جاتے ہیں آٹھ آٹھ سال کے بچوں سے صبح سے شام تک سخت مشقت کا کام لیا جاتا ہے۔ ان تمام سختیوں اور بد نظمیوں کے باوجود مالکان کا ملازمین کے ساتھ اخلاق اور تہذیب سے گرا ہوا سلوک ہوتا ہے۔ انھیں گالیاں دی جاتی ہیں زد و کوب کیا جاتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر شہر دہلی کے ملازمین نے ایک فیڈریشن قائم کی جس کے تحت میں دہلی کے ہر بازار میں اس کی شاخ موجود ہے ملازمین یہ فیڈریشن کا مقصد طبقاتی تنظیم ہے فیڈریشن نے ایوان حکومت تک آواز پہنچائی کہ بمبئی۔ بنگال۔ سندھ اور پنجاب کی طرح دہلی میں بھی ملازمین ایکٹ نافذ کیا جائے تاکہ ملازمین دوکان کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ چیف کمشنر صاحب نے ملازمین نے محضر کا مطالبہ ہے جو بہت جلد پورا کر دیا گیا۔ لیکن بد قسمتی سے جس نے لکھا دہلی میونسپل کمیٹی اور نئی دہلی میونسپل کمیٹی کی سفارش پر قانون ملازمین نافذ کیا جائیگا دہلی میونسپل کمیٹی ملازمین ایکٹ پنجاب کی سفارش کر چکی ہے نئی دہلی میونسپل کمیٹی تو خود پنجاب ایکٹ منظور کرنے کا اعلان کر چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک دہلی میں ملازمین ایکٹ نافذ نہیں ہوا۔ اور ملازمین اپنی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ ویسے ذاتی طور پر چند بازاروں میں دوکانداروں نے ملازمین کے چند مطالبات مان لئے تھے۔ مگر قانون نہ ہونے کی وجہ سے ان تسلیم شدہ مطالبات پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ اگر ملازمین کی پریشانیوں کی یہی حالت جاری رہی تو اس کے نتائج مفید نہ ہونگے اور خواہ مخواہ انتشار پیدا ہوگا موجودہ جنگ کے زمانے میں ہمارے خیال سے شہر میں مناسب فضا کی ضرورت ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ چیف کمشنر صاحب اس جانب اپنی توجہ مبذول کریں اور جلد از جلد ملازمین ایکٹ دہلی میں نافذ کر دیں۔

ٹرام گاڑیوں کی مشکلات

دہلی کی ٹرام گاڑیوں کے متعلق عوام کی شکایات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں موجودہ زمانہ میں جب کہ پٹرول پر مختلف پابندیاں عاید ہو گئی ہیں۔ ذرائع آمد و رفت کے بارے میں نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اسوقت ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ٹرام گاڑیوں سے عوام کیلئے زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم کی جاتیں مگر اس کے برخلاف عوام کی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہو رہا ہے دہلی میں ٹرام گاڑیوں کی تعداد تقریباً پچیس ہے۔ اگرچہ اتنے بڑے شہر میں تعداد زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ کبھی پچیس گاڑیاں استعمال نہیں کی جاتیں۔ شہر میں مشکل سے صرف پندرہ سولہ ٹرام گاڑیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شام کے وقت جب کہ عوام کو ٹرام گاڑیوں کی ضرورت ہوتی ہے گاڑیاں کھچا کھچ بھری رہتی ہیں جو مسافر رہ جاتے ہیں انھیں مجبوراً باہر کے تختوں پر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ اگرچہ گاڑی سے باہر کھڑے رہنے کی اجازت نہیں ہے لیکن ٹرام کے ملازمین محض اپنی کمپنی کی خوشنودی اور فائدے کے لئے باہر کھڑے ہونے والوں کے لئے نہ تو معقول انتظام کرتے اور نہ ان سے اترنے کے لئے کہتے ہیں۔ باہر تختوں پر اکثر بچے۔ عورتیں اور ضعیف مجبوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسافروں کی زیادتی اور گڑبڑ کی وجہ سے وہ چلتی ٹرام سے گر پڑتے ہیں۔ اسلئے ہم مقامی حکومت کو اسی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ جلد از جلد ٹرام گاڑیوں کی کمپنی کو کل گاڑیاں استعمال کرنے پر پابند کرے

ٹرام گاڑیوں کے متعلق دوسری شکایت عوام کو یہ ہے کہ بغیر کسی معقول وجہ کے کم سے کم کرایہ جو پہلے ایک پیسہ تھا بڑھا کر دو پیسہ کر دیا گیا ہے اسی کی وجہ سے ظاہر ہے کہ غریب طبقہ کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱)

(شعاعیں کا بقیہ مضمون)۔ جنگ کی وجہ سے ٹرام گاڑیوں کی کمپنی پر کسی قسم کا اثر پڑتا ہوا معلوم نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ وہ صرف قریب سے قریب اسٹیشنوں کا کرایہ دو پیسہ کرنے کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ شہریوں کو قریب جانے کیلئے اکثر عجلت کی ضرورت ہوتی ہے تانگہ والے ٹکٹ بڑھ جانیکی وجہ سے خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں۔ اس لئے بعض اوقات عوام کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے عوام کا مطالبہ یہی ہے کہ پہلے کی طرح قریب کے اسٹیشنوں کا کرایہ بجائے دو پیسے کے صرف ایک پیسہ مقرر کر دیا جائے۔

مندرجہ بالا شکایات کے علاوہ ٹرام گاڑیوں کی کمپنی سے دو شکایات اور ہیں۔ ایک یہ کہ ٹرام گاڑیاں وقت کی مطلق پابند نہیں ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دو دو اور تین تین ٹرام گاڑیاں، ایک ہی اسٹیشن کی طرف ساتھ ساتھ چلی ہیں اور بعض اوقات اسٹیشنوں پر مسافروں کو ٹرام کے لئے طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کمپنی مذکور کو گاڑیوں کے اوقات کی پابندی ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں اسے جلد از جلد اپنی توجہات مبذول کرنا چاہیئے دوسرے ٹرام کے ملازمین خاص کر ٹکٹ چیکروں کا مسافروں کے ساتھ رویہ بعض اوقات نہایت نازیبا اور سخت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اکثر ٹرام میں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ ہم ان تمام شکایات کی طرف مقامی حکومت کی توجہات مبذول کرانا چاہتے ہیں

خیالِ دوشیں

عربک کالج کا نااہل سکریٹری، دیس راج چودھری

عربک کالج کا نااہل سکریٹری

چونکہ نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب کی تحقیقاتی رپورٹ ابھی تک ہمارے پاس نہیں آئی، لہٰذا ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس اشاعت میں رپورٹ کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کرسکیں گے۔

چودھری دیس راج

دہلی میونسپل کمیٹی کے سینیئر وائس پریذیڈنٹ چودھری دیس راج نے کس طرح اپنی بلڈنگ کے ایگریمنٹ میں جعلسازی کی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ چودھری صاحب نے اپنی بلڈنگ کے چھجہ کا کرایہ جس کی چوڑائی تین فٹ ڈیڑھ انچ تھی کمیٹی کو ادا کردیا۔ لیکن جب چودھری صاحب کو علم ہوا کہ کمیٹی تین فٹ سے کم پر کرایہ نہیں لیتی تو انہوں نے وائس پریذیڈنسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سکریٹری میونسپل کمیٹی سے ساز باز کرکے چھجہ تین فٹ سے کم دکھاکر کرایہ کی واپسی کا مطالبہ کردیا تھا اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چودھری صاحب نے کمیٹی کے ملازمین پر وائس پریذیڈنسی کا رعب گانٹھنا چاہا تھا تاکہ چھجہ کی دوبارہ پیمائش کے وقت چھجہ سکریٹری صاحب اور چودھری صاحب کی مجوزہ پیمائش کے مطابق دکھایا جائے۔

اب یہ کیس ڈپٹی کمشنر صاحب کے سپرد ہوا ہے، اور اس کے ساتھ ہی چودھری صاحب کے اس خلافِ قانون حرکت اور دیگر مجرمانہ افعال کی طرف ڈپٹی کمشنر صاحب کی توجہ کمیٹی کے سات ممبران نے ایک میمورنڈم کی صورت میں دلائی ہے۔ جس پر خان بہادر حاجی رشید احمد، خان بہادر ایس، ایم عبداللہ، حافظ محمد صدیق ملتانی، سردار سندر سنگھ دھوپیہ، چودھری منوہر لال شیخ وغیرہ کے دستخط ہیں۔ اس ذمہ دار میمورنڈم کے بعد حکومت دہلی سے یہ کسی طرح بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس سنگین معاملہ کو رفع دفع کرکے خاموشی اختیار کرلے گی۔ ہمیں اُمید ہے کہ مسٹر لابیلی معاملہ کی نزاکت کو محسوس کریں گے اور چودھری صاحب کے لئے بھی وہی سزا تجویز کریں گے جو اس سے قبل اس قسم کے واقعات پر ڈپٹی مل جین اور لکشمی نراین گڈوڈیہ کو دی جاچکی ہے۔ یہ ہے دہلی میونسپل کمیٹی کی پروگریسو پارٹی کے سپرد کردہ سینیئر وائس پریذیڈنٹ کا کیرکٹر۔

ہم چودھری صاحب سے پوچھیں گے کہ کیا یہی وہ مقاصد ہیں جن کے حصول کے لئے سینیئر وائس پریذیڈنسی کی جارہی ہے۔

گاندھی جی کے نام!

شہاب دہلوی ایڈیٹر رسالہ الہام کے قلم سے

اے اہنسا کے پجاری۔ واردھا کے سحر ساز
کب تلک آجائیگا آخر خیر و شر میں امتیاز

برسرِ کار آئے گا کب تک جنونِ برتری
قوم کے کام آ نہیں سکتی ہے یہ بازی گری

آنکھ سے عینک ہٹا کر غیرت و انصاف کی
بے محابا پھیر دی اُردو کی گردن پر چھری

اپنی ہٹ دھرمی سے وہ وہ شعبدے برپا کیے
کشت و خون ہندو و مسلم کھڑے دیکھا کیے

پڑ چکے ہیں یہ بھی رخنے آپ ہی کے کام سے
رہ گئی ٹکرا کے اونچی قوم پست اقوام سے

آپ کے سر پر اہنسا کا سوار ایسا ہی بھوت
رو رہے ہیں ذہنیت کو آپ کی بھارت کے پوت

آپ جس دن سے ہوئے ملکی سیاست میں دخیل
ہوگئی ہر سعیِ آزادی غلامی کی دلیل

آپ کے دم سے ہیں ملک و قوم حیراں صبح و شام
آپ کے ہاتھوں پریشاں ہے حکومت کا نظام

گاہے "پاکستان" سے ضد گاہے "مسلم لیگ" سے
درپئے آزارِ مسلم کے کبھی انگریز کے

گاہے بیزار نبرد اور گاہے آمادہ بہ شر
اک اہنسا کے مطالب وضع ہونگے کس قدر

جب بہتر یا تہتر کو پہنچ جاتا ہے سن
اختلالِ فہمِ انساں کے قریب آتے ہیں دن

چاہیے ہیں آپ کے بھی اب قوائے مضمحل
گوشۂ تنہائی اور لب پر سکوتِ مستقل!

آپ کے پیشِ نظر اس وقت جو تحریک ہو
قوم کی اس میں تباہی ملک کی تضحیک ہو

موجودہ جنگ اور دفاعِ ہندوستان

از مسٹر پدم پرشاد آزاد انبالوی

اس امر سے کسی بھی وطن پرست ہندوستانی کو انکار نہ ہوگا کہ آج کی جنگ سے ہندوستان کو زبردست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر اس خطرۂ عظیم کا مقابلہ اتحاد و یکجہتی سے متحدہ قومی محاذ بنا کر نہ کیا گیا تو یہ خطرہ ہندوستان کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اور بربادی بھی ایسی کہ صدیوں تک ہم اس بربادی کے خسارہ کو پورا کرنے کے قطعی قابل نہ ہو سکیں گے۔ جو لوگ آج ہندوستانی عوام کی صحیح رہنمائی کرنے کی اسپرٹ نہیں رکھتے وہ بیکار ہی بکواس کر رہے ہیں کہ "آج ہمیں ہندوستان کی حفاظت فاشسٹ لٹیروں سے کرنا چاہئے۔ نازیت اور فاشیت کا خاتمہ ہی دنیا بھر کو سب سے بچا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ہماری لڑائی انگریزی سامراج سے بھی ساتھ ساتھ نازیت اور فاشیت کے خلاف بھی ہے۔ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک غیر ملکی اجنبی حملہ آور ہندوستان کو غلام بنانے کے در پئے ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مقامی جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر اس کا مقابلہ کریں۔ برطانیہ سے اپنی آزادی ... جنگ کے بعد بھی لڑی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم انگریزی سامراجیت ہی سے الجھتے رہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ ہم فاشسٹ لٹیرے جاپان کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ ہم پر حملہ کرے اپنے قبضہ میں کر لے۔ سب بڑے بڑے ملکوں کی آزادی خطرے میں ہے تو برطانیہ سے جنگ کے دوران میں ہی اپنی آزادی کا اعلان کرا کر کیا ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ ہم خود اپنی حفاظت کر سکیں۔

سنگاپور، ملایا اور برما میں اتحادیوں کی شکستوں نے ہندوستان کو جو خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ موجودہ جنگ کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے عبرت انگیز ہے۔ اگر ہم نے گذشتہ تجربہ سے فائدہ نہ اٹھایا تو یقین غالب ہے کہ ہم بے پناہ مصائب کا شکار ہوں گے اور جس آزادی کا مطالبہ ہم برطانیہ سے کر رہے ہیں وہ خواب کی صورت میں نظر آئے گا۔ آج فتح و شکست کی ہر منزل ہمیں دعوت فکر دے رہی ہے۔ آج کا وقت گذشتہ ناکامیوں پر آنسو بہانے کا نہیں ہے۔ ماتم کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ ان ناکامیوں کے اسباب پر سنجیدگی کے ساتھ تلخ تجربات کی روشنی میں غور کرنا ہے۔ اور اپنے کو مضبوط و مستحکم بنانا ہے۔ گذشتہ غلطیوں کا اس ڈھنگ سے اعادہ کرنا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی صورت پیدا نہ ہو۔

ہمیں اس بات میں بھی الجھنا نہ چاہئے کہ برطانیہ ہمیں آزاد کرتا ہے یا نہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم برطانیہ کی گرفت سے آزاد ہیں۔ برطانیہ میں اب وہ قوت نہیں ہے کہ ہندوستان کو غلام بنائے رکھے۔ ہمیں یہ چیز بھی سمجھ لینی چاہئے کہ آج جنگ اس مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں کہ ہندوستانی عوام اور حکومت برطانیہ دونوں کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو چکا ہے۔ ہمیں اپنی صحیح قوت کا جائزہ لینا ہوگا۔ دفاع وطن کے لئے وہ شاندار متحدہ قومی محاذ قائم کرنا ہوگا۔ جس کی ٹکر لینا جاپانی فاشسٹی ڈاکوؤں کے لئے موت کا پیغام ہو۔

حکومت نے ہندوستان کے لئے جو دفاع کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ ہندوستان کے عوام ان سے کمل طور پر مطمئن نہیں ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی عوام کا تعاون حاصل کرے۔ جنگ عوام کے تعاون ہی سے جیتی جا سکتی ہے۔ اور یہ تعاون ہندوستانی عوام کا تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب اُن کے قلوب کو مطمئن کر دیا جائے۔ اُن کے قلوب صرف اسی صورت میں ہی مطمئن ہو سکتے ہیں کہ اُن کو احساس دلایا جائے کہ یہ ملک اُن کا ہے۔ ملک میں قومی حکومت قائم کی جائے۔

ہندوستان کے عوام کو ہتھیار بند کیا جائے۔ اگر حکومت واقعی سچے دل سے اس چیز کا احساس کرتی ہے کہ نازیت اور فاشیت دنیا کے لئے ایک لعنت ہے۔ تو اُسے ہرگز بھی ہندوستان کے مطالبہ کو رد نہ کرنا چاہئے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا کی فلاح و بہبود اور جنگ میں کامیابی کے پیش نظر یہی ایک مفید اور مناسب راستہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ آنے والے خوفناک واقعات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستانیوں کے دلوں میں جنگ کو جیتنے کا احساس پیدا کرے۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر حکومت نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ہندوستان کا متحدہ قومی مطالبہ تسلیم کر لیا تو صرف ۴۰ کروڑ انسان محوری قوتوں کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں۔ ترقی پسند طاقتوں کے ساتھ فاشیت کی لعنت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اور ہمیشہ امن قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس بات کے تسلیم کر لینے میں حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے کہ جنگ کو شروع ہوئے تقریباً پونے تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن ہندوستان کو فوجی طور پر منظم نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس چیز کو محسوس کرتے ہیں کہ سنگاپور، ملایا اور برما کے محوری قوتوں کے ہاتھ میں چلے جانے سے اُسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہو چلا ہے اور اُس کی اب تمام کوششیں ہندوستان کے دفاعی انتظام کو مضبوط بنانے میں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم دیتا ہے کہ ابھی تک ہندوستان کے انتظامات اطمینان بخش نہیں ہیں۔ اگر حکومت واقعی طور پر مطمئن ہوتی تو ہندوستان کے کمانڈر انچیف برما کے واقعات پر نظر ثانی کرتے ہوئے یہ نہ فرماتے کہ "کلکتہ اور لنکا کی فضائی طاقت سنگاپور کی فضائی طاقت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ بلاشبہ ہندوستان کی دفاعی پوزیشن زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائی جا رہی ہے تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس سے قطعی طور پر مطمئن ہیں"۔

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ہم کمانڈر انچیف، اور حکومت کو یہ مشورہ دینے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی دفاعی پوزیشن کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنائیں۔

حکومت کو یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے۔ اس میں تمام جنگی سامان پیدا کرنے کی قوت ہے اس میں وہ تمام ذرائع موجود ہیں جن سے محوری قوتوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کے مزدور، کسان، طلبا اور نوجوان ملک کی حفاظت کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکتے ہیں ہندوستانیوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ جنگ اُن کی اپنی آزادی کی جنگ ہے۔ اور یہ چیز صرف اُس صورت میں ہو سکتی ہے جب حکومت اپنے قول و عمل سے ہندوستانیوں کے دلوں پر یہ چیز روشن کر دے کہ "تمہارا وطن آزاد ہے"۔ جس وقت ہندوستان کے چالیس کروڑ انسان برطانیہ کے اس اعلان کو سنیں گے، تو یقین کر لینا چاہئے کہ اُن کے دلوں میں اپنا وطن جاپانی شیطانی طاقت کی دستبرد سے آزاد کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائیگا قوت ارادی ہندوستانیوں کا مستحکم جذبہ ہے اور ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ جس دلیری بہادری اور جرأت کے ساتھ روسی اپنے وطن کی زمین کو نازیوں کے منحوس قدموں سے پاک کرنے کی خاطر گذشتہ ایک سال سے لڑ رہے ہیں اسی طرح ہندوستان کے بہادر لوگ نیا جوش اور نئی امنگ کے ساتھ اپنے عزیز وطن پر جاپانی فاشسٹی لیڈروں کے پاؤں نہ جمنے دیں گے۔ اور دنیا کے آنے والے نئے نظام کے بنانے میں جمہوری قوتوں کے ساتھ فرائض کی ادائیگی میں حصہ لیں گے۔

یہ تو حکومت کو مشورہ ہے۔ اب عوام کو لیجئے ہندوستانی عوام کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا وطن خطرہ میں ہے۔ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں یہ خطرے کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ برطانیہ ہمیں آزاد کرے یا نہ کرے ہمیں ہر صورت میں آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمیں اتحاد و یکجہتی کے ساتھ قومی طور پر اپنا محاذ بنانا ہے۔ ہمیں خود وہ قوت اور جوش پیدا کرنا ہے کہ ہمیں کوئی غیر ملکی ہضم کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ہمیں اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا ہے۔ جو قومیں دوسروں کی قوت کے بھروسے پر اس جنگ میں کودی ہیں، ہم نے اُنھیں برباد ہوتے دیکھ لیا ہے۔ یہ وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا نہیں بلکہ عمل کا ہے۔

اگر ہم جنگ سے غیر جانب دار ہو کر خاموش بیٹھے رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم جاپان کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

یہ بات سچ ہے کہ ہم غلام ہیں اور اس غلامی میں ہماری جرأت و ہمت و مستقل مزاجی مفقود ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہونے چاہئیں کہ ہم کبھی آزاد نہ ہوں گے۔ ہم میں جوش و غیرت پیدا ہونا چاہیے آزاد ہونے کی حقیقی لگن پیدا ہونا چاہیے ہمارا ایک ایک قدم آئندہ ہماری آزادی کی تاریخ میں نمایاں درجہ ثابت ہوگا۔ ہم میں جس دن بھی یہ لگن پیدا ہو گئی کہ ہمکو آزاد ہونا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہم کو غلام نہیں رکھ سکتی ہم غلامی کی وجہ سے لاچار و بیزار ہیں۔ ہم دنیا کو شکست دینا چاہتے ہیں۔ لیکن غلامی کی وجہ سے ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں، جو ہمیں ہماری آرزوؤں کو پورا کرنے کا موقع دیں۔" یہ خیالات ہمارے چند محبان وطن کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ ہم ان کے ان خیالات سے متفق نہیں ہیں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر وہ واقعی دشمن کو ختم کر دینے کی آرزو رکھتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنے دلوں سے خوف و ہراس نکال دیں۔

ہم اگر دشمن سے دو بدو لڑنے کے قابل نہیں ہیں تو اس قابل تو ہیں کہ اپنے دلوں میں دشمن کے مکروہ اور بے بنیاد پروپیگنڈا کو جگہ نہ دیں ہم ہر شہر میں گاؤں میں ایسے والنٹیروں کی جماعت تیار کریں جو ہوائی حملے کے وقت زخمیوں وغیرہ کی خدمت کر سکے۔ اپنے گاؤں کو لٹیروں سے محفوظ رکھ سکے۔ یہ چیزیں بھی ملکی دفاع میں ایک اہم درجہ رکھتی ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس جنگ کے بعد دنیا کا نیا نظام آزادی اور مساوات پر قائم ہوگا۔ ہندوستان آزادی حاصل کرنے کے ساتھ دنیا میں حقیقی جمہوریت اور امن قائم کرنے میں اپنے فرائض خود ادا کریگا۔

نانی علیمن

(جناب سید مقبول حسن صاحب نقوی شاہجہانپوری)

یہ افسانہ ایک خوشحال گھرانہ کی سچی تصویر ہے اور گھرانہ بھی ایسا جس میں بوڑھے لوگ مخصوص خیالات کی نمائندگی کرتے ہیں اور نئی پود جدید خیالات کی حامی نظر آتی ہے۔ فاضل افسانہ نگار نے دونوں کی زبان استعمال کرنے اور ایک متوسط طبقہ کے گھرانے کا نقشہ کھینچنے میں افسانہ نگاری کے فن کو پوری طرح نبھایا ہے۔ (مدیر)

ننھی زبیدہ نما زرن اور ننھی خضر بانو دوڑتی ہوئی آپہنچیں زبیدہ نما زرن نے نانی علیمن کے کندھوں پر سوار ہو گئیں اور خضر بانو ان کے گھٹنوں پر بیٹھ کر بیٹھ گئیں

میری نانی - علی - من - زرن نے اٹھلا کر کہا

نہیں میری نانی علیمن - خضر بانو نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا - زرن نے اپنے بازو نانی علیمن کی گردن میں حمائل کر دئے اور تسمہ پا بنکر چپٹ گئیں - اور اپنا ہونٹ لٹکاتے ہوئے کہا --

—— نہیں - یہ تو میری ہیں نانی علیمن - تمہاری کہاں سے آئیں - خضر بانو نے پلٹ کر نانی علیمن کی توند پر قبضہ کیا - اور نہایت عتاب آلود آواز میں ناک چڑھاتے ہوئے کہا - واہ یہ میری ہیں - میری -

نانی علیمن ہونٹوں کو دبا کر ہنسی ضبط کر رہی تھیں - انھوں نے گردن کی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے کہا اوئی - اوئی میرا سانس گھٹا - ارے بیٹی میرا پیٹ تو چھوڑ دے - ہماری بیٹی زرن اور خضر بانو دودھ چاول کھائیگی - آؤ جو گی پر آجاؤ میں اپنی بچیوں کو دودھ چاول کھلاؤں گی -

ہم تو کہانی سنیں گے - دونوں نے ہم آواز ہو کر کہا اتنے میں سوفیا اور رفو بھی آگئیں - اور اب ایکدم کہانی کے حق میں چار ووٹ ہو گئے -

"کہانی" - نانی علیمن نے کہا - کہانی تو میں ضرور سناؤنگی مگر بیٹیا ابھی آ تو جانے دو اور سبھوں کو - وہ تمہاری پڑوس والی دونوں لڑکیاں - رئیسہ اور صبیحہ - اور وہ چاندی والی دونوں لڑکیاں - سرور اور جمیلہ اور وہ بالاخانہ والی کی سلمہ صالحہ اور رعنا - اور بڑی حویلی کی عائشہ اور بلقیس جمال - اور وہ نکڑ والے مکان کی مہر بانو اور نور بانو اور خدا بھلا کرے تمہارا وہ جھکڑ رولڑکی سردار اختر اور اس کی بہن فرخندہ اختر اور ہمارے پڑوس کی رابعہ - مگر وہ رابعہ ...... اوں - ہوں - میں آج اسے یہاں بیٹھنے کی اجازت نہ دونگی - جب سے اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے - وہ رانڈ کے سانڈ کی طرح پل رہی ہے مرحوم اپنے بچوں کو شبر کی نگاہ سے دیکھتا تھا - کتنا بھلا آدمی تھا - خدا مغفرت کرے - دادا نے اندھی محبت میں پوتی کو آزاد چھوڑ دیا ہے - اب وہ اسکول کی اگلی جماعتوں میں کیا پہنچ گئی ہے - ہمارے بھی کان کترنے لگی ہے - اس نے تو مہر بانو اور فرخندہ اختر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے - اور اپنی پارٹی بنا لی ہے - کہتی ہے - دیو پری کا کوئی وجود نہیں محض خرافات ہے - بھوت چڑیل فرضی باتیں ہیں - ہمارے شہر ہمارے قصبات اور دیہات ہماری سڑکیں ہماری ریلیں اسٹیشن - ڈاکخانے - تارگھر بجلی ریڈیو - غرضکہ ہمارے لوازمات زندگی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں - وہ آگئیں سرور اور جمیلہ - زرن نے پرشوق لہجہ میں کہا اور خضر بانو نے رضیہ صبیحہ - در انیسہ کی آمد کی خبر اس سے زیادہ زوردار لہجہ میں سنائی -

نانی علیمن کے چہرے پر جذبات مسرت رقص کرنے لگے حقیقت یہ تھی کہ بچوں کی ترسی ہوئی تھیں عمر بھر کی کمائی ایک بیٹا تھا - ممتا بھری ماں - نے نوعمری ہی میں شادی کر دی شادی کیا ہوئی - نانی علیمن کے گھر میں خزاں آگئی دوران کی تمنائیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں - انھوں نے سوچا تھا کہ وہ گھر جو عمر بھر سونا رہا - اب بچوں کی مسرور چیخوں اور ترنم ریز قہقہوں سے گونج اٹھیگا مگر بہو صاحبہ اس شجر ہی کو لے اڑیں جس کے پھول نانی علیمن کے مشام جان کے لئے تھا - زندگی بہت ہوتے - کبھی کبھار بیٹے صاحب تشریف لے آتے - تو بہو صاحبہ بچوں کو نہیں آنے دیتیں - ور ہزار تقاضوں کے بعد سال دو سال میں اگر بچے آبھی گئے تو نانی علیمن ان کے لئے ایک [illegible]

سے وعدہ کیا گیا کہ جب تک واپس نہ آجائے گی کہانی آگے نہ کہی جائے گی ۔

نانی علیمن ! انیسہ نے کہا ۔ کیا زرن اور حضر بانو ڈر گئی تھیں وہ سمجھ کی کمی " کم عمر ہیں نا " نانی علیمن نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ جب سمجھ آجائے گی ۔ یہ بھی ہماری تمہاری طرح نڈر ہو جائیں گی اب انھوں نے ذرا پہلو بدل کر تمام لڑکیوں سے ایک کلاس ماسٹر کے انداز میں سوال کیا ۔ بیبیو ۔ اگر تمہارے سامنے کوئی بھوت آجائے تو کیا تم ڈر جاؤ گی ' ہرگز نہیں ' ہرگز نہیں ۔ سب نے ہم آواز ہو کر کہا ۔ "استغفراللہ" ۔ نانی علیمن فرمانے لگیں کوئی وجہ بھی ہو ڈرنے کی ۔ ۔ ۔ ۔ ابھی نانی علیمن کا فقرہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ ایک خوفناک اور مہیب آواز آئی ۔ " خبردار " ۔ ۔ کمزور انسان ۔ ۔ ۔ تو بھول رہا ہے ۔ نانی علیمن کے کان کھڑے ہوئے اور انھوں نے سامعین پر نظر ڈالی تمام لڑکیوں کے چہروں پر خوف و ہراس طاری تھا ۔ دوبارہ آواز آئی ۔ فانی انسان ۔ تیری ہستی حباب کی سی ہے ۔

انیسہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔ " حاجی دادا کی جھینک " نانی علیمن نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ۔ وہ تو کب سے بیٹھ گئے ہوئے ہیں ۔ آخر ہے کون اکیلے مکان میں "

حاجی دادا کے مرزا سنے مکان اور نانی علیمن کے صحن کے درمیان جو دروازہ مقفل رہتا تھا ۔ تڑاق سے کھلا اور سفید کپڑوں میں ملبوس ۔ لانبا تڑنگا ۔ گھٹنوں کے بل آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا ایک بھوت نظر آیا اور دلبیر پار کر کے ساکت نظر ہو گیا ۔

نانی علیمن نے انیسہ کا شانہ پکڑ لیا اور آہستہ سے کہا ۔ " بیٹی ذرا آیت الکرسی پڑھ دے ۔

میں تو بالکل بھول گئی ۔ اس وقت ۔ آپ ہی پڑھ دیکئے انیسہ نے مدھم مگر بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔

" اور مجھے بھی تو اس وقت یاد نہیں آتی کمبخت نے یادداشت بھی سلب کر لی ۔ نانی علیمن نے کانپتی ہوئی آواز میں فقرا پورا کیا ۔

" آپ ڈر رہی ہیں ۔ نانی علیمن ؟ انیسہ نے کہا " نہیں نہیں میں ڈر سکتی ہوں بھلا ۔ نانی علیمن نے جواب دیا ۔ میں اس وقت غصہ سے کانپ رہی ہوں ۔ البتہ تم ڈر رہی ہو نانی علیمن نے انیسہ کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا " دیکھو تم یقیناً ڈر رہی ہو ۔ دل مضبوط کرو ۔ بیٹی دل مضبوط کرو انیسہ نے بھی اپنا کانپتا ہوا ہاتھ نانی علیمن کے دل پر رکھا اور کہا کہ دیکھئے آپ تو بہت زیادہ ڈر رہی ہیں ۔ آپ کو بالکل بھی ڈرنا نہیں چاہیئے " نانی علیمن نے دانت پیس کر اور بظاہر غضبناک ہو کر بھوت کی سمت مکا دکھایا اور کہا " علیمن نہیں ڈر سکتی ۔ بھوت کے مجسمہ کو ایک دم حرکت ہوئی ۔ اس نے اور آگے بڑھنا شروع کیا ۔ نانی علیمن نے آخر کار مشہور و معروف جلالی وظیفہ شروع کر دیا ۔ جل تو جلال تو ۔ قدرت الکمال تو ۔ آئی بلا کو ٹال تو کا ورد شروع ہو گیا ۔ مگر تو بہ کیجئے ۔ بھوت صاحب نے اس کے جواب میں اپنے طولانی بازو اس طرح گھمانا شروع کر دئے جیسے کوئی بنیر لگے پٹے کے ہاتھ گھماتا ہے ۔

دہشت زدہ ان سہمی ہوئی لڑکیاں جو پہلے ہی سمٹ سمٹ کر ایک گوشہ میں پناہ لی چکی تھیں ۔ اس بلائے ناگہانی کو سر پر آتا دیکھ کر چیخیں ۔ روتی ہوئی دروازے کے باہر بھاگیں ۔ نانی علیمن اور انیسہ کا یہ حال تھا ۔ کہ ایک دوسرے کو چمٹی ہوئی پچھلے پاؤں ہٹ رہی تھیں ۔ بظاہر جب کوئی مفر صورت نہ رہی تو نانی علیمن نے ہاتھ جوڑ کر کہا ۔ اے شریف بھوت ۔ ہم میں سے کوئی بھی ملاشور نہیں ہے ۔ آپ کو شاید دھوکا ہوا ہے ۔ ہم تو صرف ملاشور کا ذکر کر رہے تھے ۔ اے رحم دل بھوت ! آپ ہمیں خلاصی دیں اور اپنا انتقام ملاشور سے جا کر لیں "

انیسہ کا دل حالانکہ زور سے دھڑک رہا تھا ۔ مگر وہ اپنے سر کی جنبش سے نانی علیمن کو سو فیصدی تائید کر رہی تھی ۔ شریف اور رحم دل بھوت پر اس التجا کا بھی کوئی اثر نہ ہوا ۔ اور حضرت نے اپنے ہاتھ اپنے دونوں کی طرف بڑھائے ۔ جب قضا سر پر ہی آتی دکھائی دی تو انیسہ نے ایک کامیاب جھٹکا دیا ۔ اور اپنے کو نانی علیمن کی گرفت سے چھڑا کر تیر کی طرح دروازے کے باہر نکل گئی ۔ اب نانی علیمن کے بھاگنے کی باری تھی ۔ مگر اس قصد سے پہلے ہی ان پر بیہوشی طاری ہو گئی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑیں ۔

محلہ میں شور مچ گیا کہ نانی علیمن کے یہاں بھوت آگیا ۔ شور سن کر بھوت صاحب بھی گھبرائے ۔ اور انھوں نے فرار ہو جانے کی ناکام کوشش کی ۔ کیونکہ دروازے سے داخل ہونے والے ہجوم نے بیٹریوں کی روشنی سے گھر کو بقعہ نور بنا دیا تھا ۔ بھوت صاحب کے خط و خال ظاہر ہونے لگے اور آخیر کار وہ گرفتار کر لئے گئے ۔ سب سے پہلے تکیہ کا غلاف جس میں سے دیکھنے کے لئے نہایت خوبصورتی کے ساتھ دو سوراخ تراشے گئے تھے ۔ سر پر سے اتار لیا گیا ۔ ۔ ۔

بقیہ مضمون صفحہ

اپنی بڑھیا سے زیادہ قیمت نہیں رکھتیں۔

بہرصورت یہ امر مسلم ہے کہ نانی علیمن بچوں کی بڑی رسیا ہیں۔ وہ بچوں سے بے پناہ محبت کرتی ہیں اور بچے ان سے بے حد بے تکلف ہیں۔ محلے کی عورتیں بھی نانی علیمن کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ اور انھیں اپنی بزرگ ماں کی طرح سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محلے کے سارے بچے انھیں نانی علیمن کہا کرتے ہیں۔ اور یہی اب ان کا عرف عام ہو گیا ہے۔

نانی علیمن نے کل کہانی کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور آج بچوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ زرین ٹولی ہو آئی۔ اس میں مہر بانو فرخندہ اختر اور رابعہ تھیں۔ آتے ہی رابعہ نے ایک ... لیا اور برف کی ڈولی منھ میں ! ائتے ... لیا ... نانی علیمن آج کون سے بھوت کی کہانی کہو گی۔ ذرا اسی پڑھئے۔ مجھے کبھی بھوت کی کہانی سنایا۔ کیونکہ مجھے جاہلوں سے سخت نفرت ہے۔

دیکھو رابعہ بڑی شرارت۔ نانی علیمن نے تیز لہجہ میں کہا کل تم میری ساری ایک پیسہ کی الائچیاں چبا گئیں۔ اور میری ڈبیا بھری چھالیا کلاں میں لوٹ گئیں اور ... میری جوتیاں چارپائی کی ادوائن میں کھونس دیں۔ وہ تو ... بالاکر سے بیٹی زینب کا کہ اس کی نگاہ پڑ گئی اور جوتیاں مل گئیں۔ بہتر ہے کہ تم فوراً چلی جاؤ۔ تم بہت گستاخ ہو گئی ہو۔ ... گستاخ ہو گئی ہوں ؟ رابعہ نے بھویں چڑھا کر کہا ... نانی ... واہ میری بھلائی کا کیا الٹا صلہ دے رہی ہیں ... تو الائچیاں اس لئے چبا ڈالیں کہ آپ کے دانت ... نہیں۔ آپ کیونکر چبا سکیں گی۔ چھالیاں اس لئے ... دی تھیں کہ سوکھ ہوں ... یہی کام نکل جاتا ... کی ضرورت نہ پڑے آپ کو۔ رہ گیا جوتیوں کا ... تو سو نانی تم جانتی ہو۔ گرمی کا موسم ہے بچھو ... کی جگہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں ... کوئی بچھو جوتی میں بسیرا لے لیتا ہے تو ہم سے تو آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔

"... باتونی۔ میں ابھی بتاتی ہوں تجھے۔ نانی علیمن نے پنکھا کھینچتے ہوئے کہا۔

کیا غضب ... کرتی ہیں آپ۔ نانی علیمن پنکھا ٹوٹ جائے گا رابعہ نے بھاگتے ہوئے کہا اور جھکر کاٹ کر دروازے کے پردے میں چھپ گئی۔ جدھر نانی علیمن کی پشت تھی ... کے ابدا ... علیمن کے پلنگ کے قریب آئی۔ نانی علیمن اپنے رعب داب اور شان تحکم پر فخر کر رہی تھیں۔ رابعہ ان سے ... کہاں بھاگ گئی۔ آخرکار نانی علیمن نے کہانی ... اس اندر ... شروع کی کہ آنکھوں سے دیکھا نہیں کانوں سے سنا ... سالہا سال گذر گئے ... کے درمیان جہاں آج کل نئی چھاؤنی قائم ہے وہاں ... سے ... میں ... کی جانب ایک عظیم الشان بستی آباد تھی ... کے کھنڈرات جا بجا پھیلے ہوئے ہیں ان کھنڈرات میں ایک نہایت وسیع حویلی زمانے کی دست برد سے کچھ محفوظ رہ گئی ہے۔ اس کی چہار دیواری کا کچھ حصہ جو کہیں کہیں باقی رہ گیا ہے کسی شہر پناہ کی فصیل سے ملتا جلتا ہے۔ ... بارہ دری کو توڑ ... اونچی برجیاں تھیں جن میں سے ایک اب بھی شکستہ حالت میں باقی ہے۔ وسط صحن میں ایک مرمریں حوض بے آب خشک پڑا ہوا ہے ... زمانہ کی تباہ کن رسم کو نیرنگ کی آنکھ سے دیکھ رہا ہے چاروں طرف بارہ دری کی شکستہ بنیادیں اور کمرے ...

ہال کمروں کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار اپنی کھوئی عظمت کا فسانہ سنا رہے ہیں۔ حوض کی مغربی سمت میں عمارت کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے۔ جس کے نیچے متعدد تہ خانے ہیں یہ تہ خانے نہایت گہرے اور تاریک ہیں۔ انہیں حشرات الارض کی ایک دنیا آباد معلوم ہوتی ہے۔ ان سے اوپر سہ دری دالان کا کچھ حصہ اور چند بڑے بڑے کمرے موجود ہیں۔ درمیانی منزل میں شہ نشین تو صاف نظر آتے ہیں، مگر باقی کمروں کا کچھ حال معلوم نہیں کیونکہ زینے وغیرہ زمانے کی دست برد کی نذر ہو چکے ہیں۔ ... عمارت سے لگا ہوا ایک بڑ کا نہایت پرانا اور عظیم الجثہ درخت کھڑا ہوا ہے۔ کوئی ہمت کرے تو اس درخت پر چڑھ کر شاخوں کے ذریعے دوسری یا تیسری منزل پر پہنچ سکتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ کئی آدمیوں نے وہاں پہنچنے کی کوشش کی لیکن ایک بھوت نے جو عرصے سے وہاں اقامت پذیر ہے ان کی گردنیں مروڑ کر نیچے پھینک دیا۔ جب اس بھوت کے ظلم و ستم کی داستانیں دور دور تک مشہور ہو گئیں تو ایک سرحدی ملا اس سے مقابلہ کرنے کے لئے وہاں پہنچے۔ ملا جی کو ڈر نہیں لگا۔ انیسہ نے ... لیا۔ ڈر گیا وہ بیٹی، نانی علیمن نے تیوری چڑھا کر کہا۔ اللہ میاں نے ہم لوگوں کو اشرف المخلوقات بنایا اور ہمیں اپنا خلیفہ مقرر کیا خلیفہ حاکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم کو رعایا سے ڈر یا خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میرا خود بھوتوں سے سابقہ پڑا ہے اور میں نے انھیں ایسی شکستیں دی ہیں کہ میرا لوہا مان گئے بیٹی تم بھی بھوت سے نہ ڈرنا۔

میں کسی ... نہیں ڈرتی۔ انیسہ نے کہا ... کا ال کھنی ہوں ... کا۔

"شاباش بیٹی۔ نانی علیمن نے کہا۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ علیمن اور بیٹی انیسہ کسی سے ڈر جائیں ناممکن ہے۔

رابعہ نے پلنگ کی لٹکی ہوئی چادر کا کونہ ایک طرف سے اٹھا کر مہر بانو کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ اور مہر بانو نے فرخندہ اختر کے پکی بھری اور کان میں کچھ کہا اور تینوں کی تینوں صفائی سے سانپ کھسک گئیں۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ نانی علیمن نے کہا۔ کہ سرحدی ملا بڑ کے درخت کے پاس پہنچے ۔ ۔ ۔ ۔ بس میری بچیو انھوں نے اپنے گرد آیۃ الکرسی کا حصار کھینچ لیا اور نہایت گرجدار آواز میں کہا کہ او خبیث روح تو نے مخلوق خدا کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ تیری رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔ اب تجھ کو اپنی ستم رانیوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اگر تجھ میں کچھ بھی تاب مقابلہ ہے۔ تو اپنی پناہ گاہ سے باہر آ۔ لیکن ملا جی کو کوئی جواب نہ ملا۔ البتہ گرد و غبار چھانے لگا اور آندھی کے تند و تیز جھکڑ چلنے لگے۔ جن سے بڑ کا درخت جھک جھک کر زمین بوس ہونے لگا۔ رعد و برق کی طرح آوازیں ہر چہار طرف گونجنے لگیں۔ ایک شور قیامت برپا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے تو ملا جی کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اور انھوں نے جلد جلد بہت سی آیتیں پڑھ ڈالیں طوفان ایک دم رک گیا اور عمارت کی بالائی منزل سے رونے کی آواز آنے لگی۔ ملا نے کہا کیوں بچہ جی ! ابھی سے ٹسوے بہانے لگے۔ اگر بھسم تک نہ دوں تو ملا شور نام نہیں۔ بس سیدھی طرح نیچے اتر آؤ ورنہ میں بخشنے والا انسان نہیں۔

نانی علیمن کہانی کا یہ حصہ ڈرامائی انداز میں کڑک کڑک کر بیان کر رہی تھیں۔ اور زرین اور خضر بانو ان کے شانوں کو مضبوط پکڑے ہوئے بے طرح کانپ رہی تھیں۔ نانی علیمن کو خرد سال بچوں کے سامنے خوفناک قصے سنانے کا پہلی مرتبہ احساس ہوا انھوں نے دونوں کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ان سے تسلی آمیز باتیں کرنے لگیں۔ انھوں نے مونا اور سلمیٰ کو بلا کر کہا۔ جاؤ ان دونوں کو ان کے اپنے اپنے بستروں پر لٹا آؤ۔ انھیں نیند آ رہی ہے۔ زرین تو بجائے پیدل چلنے کے مونا کی گود میں سوار ہو گئی۔ اور اپنے کانپتے ہوئے بازوؤں سے اس غریب کی گردن اس بری طرح جکڑ لی کہ غریب کو خود سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ اور خضر بانو نے کچھ اس قسم کا سلوک سلمیٰ سے ... کیا بہرحال سواریاں پہنچانے والی لڑکیوں

سبدِ گل

"بیوہ"

(از جناب شکور احمد تمنا الہ آبادی)

ادھ کھلا اک پھول مرجھایا ہوا
چودھویں کا چاند گہنایا ہوا

آرزوؤں پر بلا آئی ہوئی
زندگی پر مردنی چھائی ہوئی

منہ چھپائے غم کے دامن میں شباب
چہرۂ روشن پہ حسرت کا نقاب

ضبط کی صورت گری کردار میں
درد کی واماندگی رفتار میں

سرنگوں بیدردیٔ تقدیر سے
رنگ سا اڑتا ہوا تصویر سے

شوق کے تیور پہ بل آئے ہوئے
ولولے دنیا سے شرمائے ہوئے

قوتیں ناز و ادا کی راز میں
دل کی دھڑکن ماتمی انداز میں

ہر لطافت زیست کی سوئی ہوئی
فتنہ پرور آنکھ پر روئی ہوئی

ہر قدم پر اک سماجی اشتباہ
آہ سے جلتی ہوئی اک اک نگاہ

عشرتِ آسودہ حالی کی حریف
بارِ غم سے مضمحل صنفِ لطیف

جلتی پھرتی لاش اک انسان کی
یعنی بیوہ ارضِ ہندوستان کی

سوز و گداز

(از جناب شہیم صدیقی گونڈوی)

آنے نہ پائی تھیں ابھی آہیں زبان پر
کچھ بجلیاں سی کوند گئیں آسمان پر

تنقید ہو گئی اب غمِ دل کے بیان پر
سب حاشیے چڑھانے لگے اس داستان پر

خونِ شہیدِ ناز کی گرمی تو دیکھئے
چھالے پڑے ہیں تیغِ ستم کی زبان پر

کیفِ شرابِ حسن کی بارش ہے رات دن
احسان کر رہے ہیں وہ دونوں جہان پر

بیٹھے ہیں قفس میں اور ہیں قابض قفس پہ تو
پھر کس لئے کرتے ہیں اے باغبان پر

دو تنکے آشیاں کیلئے ہم نے کیا چنے
ہے برق بپھرا ہے بہت آسمان پر

ہوتا ہی پھر حریفِ دلِ پرسکوں کوئی
اے ضبطِ عشق آگئے شکوہ زبان پر

تاثیرِ ضبط، سوزِ الم کیا بیان ہو
چھالے سے پڑ گئے ہیں ہماری زبان پر

اک اک قدم پہ سجدے کئے راہِ شوق میں
میری جبینِ شوق جھکی ہر نشان پر

رسوائیٔ مذاقِ تمنا نہ پوچھئے
ہے میرا ذکر خلقِ خدا کی زبان پر

بعدِ فنا ملی مجھے معراج اے شہیم
پہنچا غبارِ خاکِ مرا آسمان پر

چین کی دولت کے ذرائع

چین کی گذشتہ پانچ سال کی تاریخ ایک خونی باب ہے۔ جاپان چین کو ہمیشہ دولت کی کان سمجھتا رہا اور اُسکی حریص آنکھیں اُس پر لگی رہیں۔ اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کیلئے اُس نے چین پر حملہ کر دیا اور پر امن چینی باشندوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھا رہا ہے۔

مندرجہ ذیل مضمون میں چین کی دولت کے ذرائع پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی نئی اقتصادی تنظیم کی تفصیلات بھی بتائی گئی ہیں۔ چین کو جہاں جنگ سے نقصانات پہنچے ہیں وہاں اُسے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی اقتصادی بنیادیں مضبوط کر لی ہیں۔

(مدیر)

آج چین اپنی ایک ایک انچ زمین کے لئے جاپان کا گذشتہ ۵ سال سے مردانہ وار مقابلہ کر رہا ہے اور ساتھ ہی ایک نئے چین کی بنیاد ڈال رہا ہے جو ہر اعتبار سے دنیا کے کسی ملک سے پیچھے نہیں ہو۔ اس طرح چینی عوام ایک طرف تو جنگ میں مصروف ہیں اور دوسری جانب اقتصادی تنظیم کے لئے کوشاں ہیں۔

چین کے پاس اس وقت تمام محاذوں پر تقریباً ۵۰ لاکھ سپاہیوں کی فوج موجود ہے ان کے علاوہ ۲۰ لاکھ چھاپہ مار ہیں جو سایہ کی طرح جاپانی فوجوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ گذشتہ پانچ سال میں چین میں ۲۴ لاکھ جاپانی سپاہی مارے گئے۔ جنگ کے پہلے سال میں جاپانیوں کو اچانک کامیابی حاصل ہوئی لیکن دوسرے سال میں ان کی رفتار سست پڑ گئی اور چین کو صلح کی [illegible] کی گئیں لیکن چین نے صاف انکار کر دیا۔ تیسرے سال جاپان کو محض جنگ جاری رکھنے کے لئے لڑنا پڑا۔ چوتھے اور پانچویں سال میں جاپانی فوجیں تھکی ہوئی نظر آتی ہیں اسکے برخلاف چینی سپاہیوں کے دلوں میں احساس پیدا ہو گیا ہے اور چینی عوام آج زیادہ متحد نظر آتے ہیں۔

فتح کا انحصار

موجودہ جنگ میں ایک فریق کی فتح و شکست کا انحصار صرف میدانِ جنگ پر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ قدرتی ذرائع بھی کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ چین کی موجودہ اقتصادی حالت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے اس کی آخری فتح میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

چین میں گذشتہ چار برس میں معدنیات اور صنعتوں کی ترقی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ویسے تو ابتدا ہی سے چین میں صنعتیں بہت کم تھیں۔ لیکن جب جنگ چھڑی اور صنعتی مرکز ساحلی مقامات سے اندرونی ملک میں منتقل کئے گئے تو وہاں معدنیات کی بہتات کی وجہ سے صنعتوں نے خوب ترقی کی۔ خاص کر جنگی صنعتوں پر زور دیا گیا تو اس کے ساتھ ہی چین کا تمام اقتصادی نظام بھی تبدیل ہو گیا۔ چین کی گذشتہ پانچ سالہ اقتصادی پالیسی کے دو بنیادی مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ جنگی ضروریات پوری کی جائیں۔ دوسرے یہ کہ عوام کی زندگی کا معیار بلند ہو۔ صنعتیں بڑھانے اور معدنیات میں ترقی ہو جانے سے یہ دونوں مقاصد پورے ہو گئے۔ بڑی بڑی صنعتوں کے ساتھ صنعتوں کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ ساتھ ہی بینک کے معاملات کو صنعتی اور تجارتی مفاد کے اعتبار سے منظم کیا گیا۔

تین اہم نتائج!

چین میں چار پانچ سال کی لڑائی کے بعد وہاں کی اقتصادی حالت کے متعلق تین اہم نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ جنگ سے پہلے چین میں صنعتیں صرف ساحلی مقامات پر محدود تھیں۔ آج ان کا تمام ملک میں جال پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جنگ سے پہلے چین میں بڑی صنعتیں بہت کم تھیں۔ اب جنگی صنعتوں کے علاوہ بڑی صنعتیں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ تیسرے چین کے صوبجات خاص کر جنوب مغربی اور شمال مغربی صوبوں کی حالت ۱۹۳۷ء سے پیشتر بہت ابتر تھی آج یہی صوبے اقتصادی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ نظر آتے ہیں ان کی ترقی کی وجہ عوام میں تعاون کی اسپرٹ اور حکومت کی صحیح رہنمائی ہے۔ لڑائی سے قبل چین کی حکومت نے ایک پنج سالہ صنعتی پروگرام شروع کیا جس میں ہونان، ہوپیہ اور کیانگسی کے صوبوں پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ جنگ کے بعد حکومت مجبور ہوئی کہ وہ ان صوبوں سے آگے مغرب کی طرف صنعتیں قائم کرے۔ لیکن جنگ کی مشکلات کے باوجود حکومت، معدنیات، بجلی کی قوت، کیمیاوی اشیاء، مشین اور بڑی بڑی صنعتیں فروغ دینے میں کوشاں ہے۔

چین کی موجودہ اقتصادی تنظیم کے چار بنیادی مقاصد ہیں جنگی سامان کی پیداوار بڑھانا، استعمالی اشیاء اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، دیسی صنعتیں فروغ دینا اور معدنیات میں اضافہ کرنا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مالیات کی وزارت نے ۱۹۳۸ء سے مسلسل کوشش کی ہے اور کر رہی ہے اسی سلسلہ میں حکومت خود کثیر رقم صرف کر رہی ہے۔ اور ذاتی کمپنیوں کی امداد بھی کرتی ہے۔ اس طرح حکومت چین کی موجودہ اقتصادی پالیسی نے صرف وقتی ضرورتیں ہی پوری نہیں کی۔ بلکہ مستقل طور پر چین میں بڑی صنعتوں کی بنیاد ڈالدی۔ سرکاری صنعتوں اور کانوں کا انتظام ایک کمیشن کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ ابھی تک کمیشن نے ۹۴ صنعتوں کے، ۲۲ کانوں کے اور ۱۰ بجلی کی انجنیری کے [illegible] مراکز قائم کئے ہیں۔ مشینوں، کیمیاوی اشیاء اور بجلی کے سامان کی صنعت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور معدنیات میں کوئلہ، لوہا، پیٹرول اور تانبے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ ملک کی دفاعی [illegible] کے لئے بہت اہم ہیں۔ پانی سے بجلی کی قوت حاصل کرنے کے لئے بھی کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ صرف دریائے [illegible] سے ...... ۹۰ [illegible] کی قوت حاصل کی جاتی ہے۔

معدنیات کی فراوانی

۱۹۴۲ء کے آخر میں جب صنعتی مرکزوں کو ملک کے اندرونی حصہ میں منتقل کیا گیا تو کارخانوں کی تعداد [illegible] تھی اور ان کی مشینوں اور سامان کا وزن ۱۶۱،۰۰۰ ٹن تھا۔ گذشتہ چار پانچ سال میں چین کے مغربی علاقے میں صنعتوں کے پندرہ مرکز قائم کئے گئے ہیں۔ ۱۹۴۰ء کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین کے کل کارخانوں میں ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ اسٹرلنگ کا سرمایہ لگا ہوا ہے اور تمام ملک میں ۱۳۵۴ صنعتی مرکز موجود ہیں۔

صنعتیں	کارخانوں کی تعداد
مشین بنانے والی	۳۱۲
معدنیات	۹۳
بجلی	۱۷
کیمیائی اشیاء	۳۶۱
سوتی کپڑا	۲۸۲
متفرق	۲۸۹
کل	۱۳۵۴

صنعتوں اور معدنیات کو فروغ دینے کے لئے حکومت چین ان ذاتی کارخانوں کو ہر قسم کی امداد دیتی ہے جو جنگی سامان تیار کرتے ہیں۔ صنعتوں کی منتقلی کے وقت حکومت نے مشینوں، بجلی کے سامان اور کیمیائی اشیاء پر خاص طور سے توجہ دی کیونکہ ان سے گولہ بارود کے کام میں بہت امداد ملتی ہے اس کے ساتھ ہی پارچہ بافی اور آٹے کی چکیوں کی اور دوسری صنعتوں کو نظرانداز نہیں کیا۔ جو انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ مزید براں حکومت چین نے بیرونی ممالک سے ضروری سامان خریدا اور صنعتوں کے ماہر مہیا کئے تاکہ صنعتوں کا معیار جلد از جلد بلند ہو جائے

چین میں ابتدا میں ایسی بہت کم صنعتیں تھیں۔ جو مالی اعتبار سے مضبوط ہوں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں انہیں کافی نقصانات اٹھانا پڑتے تھے۔ پھر اس کے علاوہ وہ سامان خریدنے کا بار برداشت نہیں کر سکتی تھیں لیکن حکومت چین نے ان کی ہر طرح امداد کی۔ مالی امداد میں ان صنعتوں کو ترجیح دی گئی جو فوجی سامان تیار کر رہی تھیں ان کے بعد ان صنعتوں کو جو ضروریاتِ زندگی پیدا کر رہی تھیں پھر ایسی صنعتوں کو امداد دی گئی۔ جو ملک کی پیداوار کی صلاحیت بڑھانے میں کوشاں ہیں۔ اور سب سے آخر میں ایسے کارخانوں کی ہمت افزائی کی گئی۔ جو اینٹ، سیمنٹ، [illegible] سوڈا اور الکوہل وغیرہ تیار کرتے ہیں

چین کی دولت کے ذرائع

چین معدنیات کے لحاظ سے بہت دولتمند ملک ہے وہ تمام دنیا کے بازاروں کو ٹنگسٹن اور سرمہ مہیا کرتا ہے۔ [illegible] ٹین کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ وہاں کوئلے کی کانوں سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اگر کوئلہ کے استعمال کی موجودہ رفتار جاری رہی تب بھی وہاں ۱۰۰۰ برس تک کے لئے کوئلہ کافی ہے۔ اس وقت چین میں کوئلہ تقریباً ۲۵ بلین ٹن کی مقدار میں موجود ہے۔ اسی طرح لوہا بھی ایک بلین ٹن کے قریب محفوظ ہے۔ [illegible] تانبا۔ اور مینگنیز کی بھی کافی مقدار دستیاب ہو سکتی ہے۔ پیٹرول بھی ملک کے کئی حصوں میں مل جاتا ہے غرض یہ کہ چین میں ان معدنیات کی کسی طرح کمی نہیں ہے جن کی اہم صنعتی ملک کو ضرورت ہوتی ہے

جنگ کی وجہ سے چین کو صنعتی ترقی کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی کئی کانیں جاپانیوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئیں۔ اکثر پر جاپان کا قبضہ ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نئی کانیں دریافت ہو گئی ہیں۔ ساحلی مقامات کے مقابلہ میں ملک کے اندرونی حصہ میں صنعتیں زیادہ محفوظ ہیں۔ لیکن چین کی حکومت آنے والے خطرات سے غافل نہیں ہے۔ وہ ابھی سے اہم اہم صنعتوں کو زمین دوز بنایا جا رہا ہے۔

وزارتِ معاشیات نے کیانگسی، ہونان، یونان، کوانگسی اور سزیچوان کے علاقوں میں کوئلہ کی نئی نئی کانیں دریافت کر لی ہیں۔ اور وہاں نکالنے کا کام شروع ہو گیا ہے۔ چین میں تیل کا بڑا ذخیرہ منچوریا میں ہے۔ اس پر جاپان قابض ہونے کے بعد ۱۵۰،۰۰۰ ٹن تیل ہر سال حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ یہ چین کے لئے بہت گراں ثابت ہوا لیکن کانسو، [illegible] اور سزیچوان کے علاقوں میں تیل کے ذخیرے دستیاب ہو گئے ہیں۔ اور ان سے بڑی حد تک منچوریا کی تلافی ہو گئی ہے۔ یونان، سزیچوان اور چیکیانگ میں لوہے کی نئی کانیں دریافت ہو گئی ہیں۔ اسی طرح جستہ اور سیسہ بھی چین کی ضروریات کے لئے کافی مقدار میں دستیاب ہو جاتے ہیں۔

حکومت کی امداد

ملک کے اندرونی حصہ میں صنعتیں منتقل ہو جانے سے چین کے جنوبی علاقے کی کانوں پر کافی اثر پڑا ہے۔ لیکن حکومت نے رسل و رسائل کے ذرائع میں اتنی آسانیاں کر دی ہیں۔ کہ ذاتی کمپنیوں کے تمام نقصانات کی تلافی ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے معدنیات کی برآمد پر سخت پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ تاکہ ان سے دشمن فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اسلحات کے لئے جو معدنیات بہت ضروری ہیں ان کا انتظام خود حکومت کرتی ہے۔

حکومت چین نے صنعتیں فروغ دینے کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ چنگی میں کمی کر دی ہے۔ رسل و رسائل کے ذرائع کا کرایہ کم کر کے وسیع کر دئے ہیں۔ ایجادات اور جدید معلومات کے حقوق محفوظ کر دئے ہیں چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو قرضِ حسنہ دیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

۲۲ جون ۴۲ء
۱۴
دو زبانوں میں دو دلوں کی دلکش
داستان محبت
ڈائرکٹر
مسٹر وریندر۔ سی۔ ڈیسائی
بہترین کارنامہ
نردوش
(ہندی)
(مرہٹی)
گناہگار اور بیگناہ انسانوں کی زندگی
محبت اور رقابت کے پردے میں دیکھیے
فلمی ستارے
نلینی جیونت، مسٹر مکیش، مسٹر ستیش
مسٹر کنہیا لال۔ گلزار، مسٹر شنکر پرشاد
قائم علی
۱۹ جون جمعہ سے جگت ٹاکیز دہلی میں شروع
سواستک سینما بمبئی میں تیسرے کامیاب ہفتہ پر
وجے
ڈائرکٹر
مسٹر موہن سنہا
ادا کاری جذبات اور رقص و سرود کی دلکش و دل فریب کائنات
فلمی ستارے:۔ مشہور فلم اسٹار مسز درگا کھوٹے۔ حسین و شوخ مشلہ مس حسن بانو۔ مس مایا دیوی، مسٹر ہریش، مسٹر انصاری، مسٹر گنگا پرشاد
مس فیاض، مسٹر واسکر وغیرہ۔
لالہ جی
عدالت عالیہ میں مجرم اور بے گناہوں کا انصاف
ڈائرکٹر مسٹر للت جے مہتا و چمن کانت گاندھی
کی پیش کش
پروڈیوسر بائی:۔ محبوب
محبت کرنا اتنا گناہ نہیں جتنا محبت کے پردے میں کسی ایسے جرم کا مرتکب ہونا جو دل آزار ہو۔
اداکاران خصوصی:۔ مس یشودھرا کٹجو۔ مسٹر کرشن کانت۔ مس مایا دیوی۔ مسٹر امر۔ سردار یعقوب خاں۔ مسٹر عبدالرحمٰن کابلی۔
سنا لبنی دیوی۔ قائم علی انصاری وغیرہ
پیش کنندگان: نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ تارڈیو بمبئی نمبر ۷

(نانی علیمن کا بقیہ مضمون)۔ تو حاجی دادا کا صافہ باندھے ہوئے رابعہ کھڑی تھیں۔ ٹخنوں تک ڈھیلا ڈھالا کرتا بھی حاجی دلوا ہی کا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں دو لاٹھیاں پکڑے ہوئے تھیں۔ جن پر پرانے صافے کے دو چوڑے غلاف سی کر چڑھائے گئے تھے۔ اور اسی طرح دو لاٹھیاں پیروں میں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ اور ان پر بھی پرانے صافے کے دو غلاف تیار کر کے چڑھائے تھے۔ اور پیروں پر حاجی دادا کے دو پرانے جوتے ٹانک گئے تھے۔ اس تمام پوشاک کی تیاری اس خوبصورتی سے کی گئی تھی کہ ہلکی روشنی میں کوئی بھی اصلیت کو نہ پاسکتا تھا۔ بلکہ ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ کوئی دیو پیکر جن یا بھوت گھٹنوں کے بل کھڑا ہے تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ مہر بانو اور فرخندہ اختر بھی اس ڈرامے میں شامل تھیں۔ مہر بانو ہی گراموفون کے ہارن میں سے بھوت بن کر بولی تھیں۔ اور فرخندہ اختر نے زور سے دھکا دیکر دروازہ کھولا تھا لیکن آخیر میں عوام کی آمد سے خوف کھا کر رابعہ کو نکال کر نہ لے جا سکیں۔ اور خود فرار ہوگئیں۔ نانی علیمن کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں کی گئیں اور دو گھنٹے بعد انھیں ہوش آیا۔ دوسرے دن حاجی دادا میرٹھ سے آگئے اور پوتی صاحبہ کا کارنامہ ان کے گوش گذار کیا گیا۔ وہ بچوں کے معاملہ میں بہت روشن خیال واقع ہوئے تھے۔ مگر رابعہ اب بچہ نہ تھی انھیں اپنے کپڑوں اور گراموفون کے بیجا استعمال پر قطعاً ملال نہ ہوا۔ مگر نانی علیمن کا دل دکھانے اور انھیں ذہنی اذیت پہنچانے پر سخت طیش آیا۔ پھر بھی یتیم اور لاڈلی ہونے کی وجہ سے سزا کافی نرم کردی اور ایک ماہ کے لئے رابعہ کا جیب خرچ اور ناشتہ بند کر دیا۔

کامیابی کے نئے ریکارڈ قایم کرنے کیلئے
بہت جلد آرہا ہے!
ہر لحاظ سے بالکل نیا اور نرالا شاہکار
نیا افسانہ نئی موسیقی نیا مذاق
یونین پکچرز
اپنے اولین شاہکار میں ہر چیز نئی و نرالی شان میں پیش کرتی ہے
پوری شان کے ساتھ
ریکارڈنگ جے ایس اکالی
فوٹوگرافی جگدیش چندر
ڈائرکٹر:- ایچ شاہ افسانہ:- مدہوک بی اے ڈائیلاگ و گانے منشی مشرف میوزک:- گوبند رام
اداکاران خصوصی:- راج رانی، بے بی سلطانہ، گل زمان، عبدالرحمٰن کاشمیری، حسن دین جسو، فضل شاہ، غلام قادر، تارا موٹا
تقسیم کنندگان:- سکینہ اینڈ کمپنی
چاندنی چوک دہلی
بیڈن روڈ - لاہور
گویا پریم ساگر میں وہ کنول کے پھول تھے
شاداب، شگفتہ اور نظر فریب
ان کا پریم صبح کی بہار اور شام کی رنگینی سے زیادہ لطیف تھا، اور وہ زندگی اور محبت کے اس زاویئے تک پہنچ گئے تھے جہاں من و تو کی ساری زنجیریں خود بخود ٹوٹ جاتی ہیں۔
لیکن سماج کی تیوری پیشانی پر زہر میں بجھی ہوئی شکنیں پڑ گئیں، وہ غم دیدہ دلوں کے درمیان کانٹوں کا جال بن کر کھڑا ہو گیا، اور دو افسردہ سینے محض ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ ان کے پگھلے ہوئے دل آنسوؤں کی شکل میں دیکھے جا سکتے تھے۔ ان کی کچلی ہوئی روحوں کی پکار سنی جا سکتی تھی۔ لیکن سماج کی زبان ہوتی ہے آنکھیں اور کان نہیں ہوا کرتے۔ یہ دلگداز کہانی جذبات سے لبریز رومان اور نغمہ و جوانی بہترین رقص و سرود کے ساتھ
گیتا پکچرز بمبئی کے
آدھار
میں ملاحظہ فرمایئے
جسے ڈائرکٹر حشری فنکارانہ ترقی کے تھا فلما رہے ہیں، اور جس میں یعقوب، کوکیلا، اوما کانت، مہر سلطانہ کینز اور اے آر پہلوان وغیرہ کام کر رہے ہیں
گیتا پکچرز ـــ اور ـــ آدھار یہ ہیں دو نام جو یاد رکھنے ضروری ہیں

تمثیلات

"دین دنیا" کے تابوت میں لغلی میخ

ڈائرکٹر مظہر خاں کی "میری دنیا" اور تفریحی ٹیکس

ایک رات

" دین دنیا" کو خاندان کی مخالفت تو سو واجب، قدر جھنگا بڑا ہے وہ فلمی مفتی کا حق جانتا ہے۔ "جنگاری" کے کالموں میں اس کے سیاہ کارناموں پر جو روشنی ڈالی گئی تھی اگر وہ بھی شوکت فہمی کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں تو پھر ہم اس کے اصل خدوخال اسی کے گھر یلو آئینہ میں دکھائے دیتے ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اگر اس میں ظلمی سستم ظریفی میں غیرت کا شائبہ بھی موجود ہوگا تو وہ آئندہ برگ گل سے بلبل کے پر باندھنے کی حماقت نہیں کریگا، اور ذاتی اغراض کے لئے حقیقتوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش نہیں کیا جائیگی۔ اخبار "عادل" فلمی مفتی کے قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے لکھتا ہے۔

"ان اخبارات کے نام نہاد ایڈیٹر صبح سے لیکر شام تک فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والوں میں چکر لگاتے رہیں۔ ان نام نہاد اخبارات اور ان نام نہاد ایڈیٹروں کا کیریکٹر یہ ہے کہ اگر دس بارہ روپے کا ایک اشتہار مل جاتا ہے تو یہ ذلیل سے ذلیل فلم کی حمایت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔"

ان چند سطور میں "دین دنیا" کی روزانہ مشق کی خوب خوب نمائندگی کی گئی ہو۔ کون نہیں جانتا کہ "دین دنیا" والے فلمی صنعت کے لوگوں کو دھونس نہیں دیتے پھرتے ہیں، اور ان کا نمایاں کیریکٹر یہ رہا ہے کہ اگر دس بارہ روپے کا "تنج محل" کا اشتہار نہیں ملا ہے تو انہیں اس تاریخی فلم میں سٹ جہاں کی توہین نظر آتی ہے اور جب اشتہار مل جاتا ہے تو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اور شہنشاہ شاہجہاں کی بیجا عشق بازی اور ایک شہنشاہ بیگم کو زہر دینے کی بیہودگی بھی برداشت کر لی جاتی ہے۔

"دین دنیا" کی قلندری یہیں تک محدود نہیں رہتی بلکہ "خاندان" کے اشتہار نہ ملنے کی صورت میں پنچولی آرٹ کی بہترین پاکیزہ تصویر کے خلاف ایسے ہتھیار سنبھال لئے جاتے ہیں مگر دو ہفتہ ہی میں فلمی مفتی کی ٹھیکہ داری دم توڑتی نظر آتی ہے۔

دوسرے اخبارات کو تو جواب سہالی یا خود غرض کہہ کر کسی حد تک وبال ٹالا جا سکتا ہے۔ مگر ...... اور "عادل" کی نقاب کشائی کو فلمی مفتی کی مسکین بارگاہ سے کیا کہا جائیگا؟

"دین دنیا" کو نوٹ کر لینا چاہیئے کہ دہلی کے معزز اخبارات اس کی چیرہ دستیوں اور فلمی ہتھکنڈوں سے پورے طور پر واقف ہو چکے ہیں، اور اس کی فلمی و مذہبی خانہ ساز انجمنوں کی تہ تک دوربین نگاہیں پہنچ چکی ہیں۔ لہٰذا اب یا آئندہ اسے ہرگز اجازت نہیں دی جائیگی کہ وہ دہلی پریس کے نام پر ذاتی اغراض پوری کر سکے، یا ڈرپوک پروڈیوسروں کو ڈرا دھمکا کر اپنا الو سیدھا کرے۔

" دین دنیا" کا فلمی دستور یہ رہا ہے کہ وہ پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹروں پر تھانیداری رعب ڈالکر لوکل پبلسٹی اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور اپنے جاپانی طرز کے ساتھیوں کو تھوڑا بہت دے دلا کر سب کچھ اپنی تحویل میں رکھتا ہے اور باقی تمام اخبارات کو خواہ وہ "دین دنیا" سے دس گنا عزت اور پوزیشن کیوں نہ رکھتے ہوں نظر انداز کر دیتا ہے۔ "خاندان" کے متعلق بھی وہ خوش گمان اور لوکل پبلسٹی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے کون بتاتا کہ دلسکھ ایم پنچولی کو رستم سوادی سمجھنا وہ بنیادی غلطی تھی جس نے "دین دنیا" کی رہی سہی آبرو پر بھی پانی پھیر دیا اور اسے اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ کسی پارٹی، کسی محفل اور کسی ادارے میں سر اونچا کر کے بول سکے۔

ایک رات کے متعلق

اخبار "عادل" دہلی کی اطلاع ہے کہ شالیمار پکچرز کی اولین پیشکش "ایک رات" کراچی میں ناکام ہوئی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو ہمیں افسوس ہوگا۔ شالیمار پکچرز کی انگریزی نوازی پر جس نے "ایک رات" کو ناکام بنانے میں حصہ لیا۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ اس قسم کے پروڈیوسر پبلسٹی کے لئے ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار ان انگریزی اخبارات کو کیوں دیتے ہیں۔ جن کے پڑھنے والوں کو ہندوستانی فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ کس قدر مضحکہ انگیز ہے یہ حرکت کہ تصویر بنائی جائے اردو ہندی میں اور پبلسٹی کی جائے انگریزی میں جبکہ دیکھنے والوں کی غالب اکثریت بھی انگریزی زبان سے واقف نہیں۔ ضرورت ہے کہ شمالی ہندوستان کے ایجنٹ اردو، ہندی اخبارات پر پبلسٹی پر پوری پوری توجہ دیں اور لاہور کے ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار پر پبلسٹی کا بیشتر روپیہ ضائع نہ کر کے تصویر کو ناکامی سے بچائیں۔

"جھنکار"

کی شوٹنگ تین چوتھائی کے قریب مکمل ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ یہ تصویر اگست میں نمائش کے لئے پیش کر دی جائیگی ڈائرکٹر خلیل اس کو کامیاب بنانے میں پوری پوری کوشش صرف کر رہے ہیں۔ جس میں چندر موہن کمار، آزوری، پرمیلا نمایاں کام کر رہے ہیں۔

"میری دنیا" کو تفریحی ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دیا جائے

"ماروی" یا "میری دنیا" ہندوستان کے پردۂ سیمین کے کہنہ مشق ڈائرکٹر مظہر خاں کی پہلی پیشکش ہے۔ "ماروی" یا "میری دنیا" کی کہانی سندھ کی تاریخ کا وہ زریں باب ہے جو ہندو مسلم اتحاد کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ آج بھی "ماروی" کی کہانی سندھ کا بچہ بچہ فخر کے ساتھ سنتا ہے، اور اس سے اتحاد و یگانگت کا درس حاصل کرتا ہے۔ بدقسمتی سے زمانہ نے ہندوستان میں جہاں دوسری برائیاں پیدا کر دی ہیں وہاں ایک بڑی لعنت ہندو مسلم نفاق ہے۔ ہندوستان کے مصلح اور رہنما آپس میں اتحاد قایم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے مصلح اور رہنما صرف لیڈر قسم کے لوگ نہیں ہیں بلکہ ان میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو سیاست سے علیحدہ ہیں، لیکن انہیں ہندو مسلم اتحاد قایم کرنیکا خیال ہے۔ چنانچہ فلمی دنیا میں شانتارام اور مظہر خاں جیسے طباع اور ذہین افراد نے پہلی دفعہ ہندوستان کے دو زبردست فرقوں یعنی ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے چنانچہ "پڑوسی" شانتارام کی ذہانت اور "ماروی" یا "میری دنیا" مظہر خاں کی طباعی کی روشن مثالیں ہیں

اس قسم کے اصلاحی اور مفید اقدامات کی ہر طرف سے ہمت افزائی ہونی چاہیئے۔ تاکہ ہمارے ملک کی فضا نفاق کی گندگی سے صاف ہو۔ ہمت افزائی عوام اور حکومت دونوں کی جانب سے ہونی چاہیئے تاکہ اس قسم کے مفید کام کرنے والوں کے لئے ایک وسیع راستہ پیدا ہو جائے۔ حکومت سندھ نے "پڑوسی" پر تفریحی ٹیکس بالکل معاف کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہی تھا کہ ایک طرف اس فلم کو عوام زیادہ سے زیادہ تعداد میں دیکھ سکیں اور اس سے مفید سبق حاصل کر سکیں اور دوسری جانب پروڈیوسرز کی ہمت افزائی ہو۔ موجودہ حالات تو اس قسم کے ہیں کہ "ماروی" یا "میری دنیا" سے ہندوستان کے لئے تفریحی ٹیکس معاف کر دیا جائے تاکہ ہمارے ملک میں اندرونی امن و امان قائم ہونے میں یہ فلم مددگار معاون ثابت ہو سکے، جس کی آجکل سخت ضرورت ہے اس لئے ہم حکومت ہند سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ "ماروی" یا "میری دنیا" جو ہندو مسلم اتحاد کی بہترین مثال پیش کرتا ہے تفریحی ٹیکس بالکل معاف کر دے گی اور پروڈیوسرز کی ہمت افزائی کریگی تاکہ وہ اسی قسم کے اصلاحی اور مفید تصاویر تیار کرے۔

ماڈرن پکچرز کی پہلی شاندار پیشکش
پٹولا
پنجابی زبان میں
ڈائرکشن - ایل یعقوب - منوّر ایچ قاسم الف ایم ڈی اے سی ماسکو
مکالمے ——— ایل یعقوب
سینریو - منوّر ایچ قاسم الف ایم ڈی اے سی ماسکو
کہانی - منوّر ایچ قاسم - ایل یعقوب
اداکاران
حسین ساحرہ خورشید بانو - اروَن ارشد گجراتی غوری گجندر
ایچ قاسم چنچل کماری موہنی گلزار
جدّت طراز ڈائرکٹر شوکت حسین کی پھولوں بھری پیشکش جس پر فلم انڈسٹری فخر کریگی
پنچولی آرٹ پکچرز کا مایۂ ناز شاہکار
سوز و گداز شعلہ و شبنم نغمہ طرب اور زندگی و رومان کا دلنواز مجموعہ
جسے ترقی پسند پروڈیوسر سیٹھ دلسکھ پنچولی نے پیش کیا ہے اور
خاندان
جس میں
غلام محمد، پری چہرہ نور جہاں، منورما، بے بی اختر، اجمل، درگا پران وغیرہ وغیرہ بہترین کام کرتے ہیں۔
موتی ٹاکیز میں
آٹھواں پر بہار ہفتہ
ڈسٹری بیوٹرز
ایمپائر ٹاکیز ڈسٹری بیوٹرز دہلی، لاہور

یہ ہے سینما

دہلی میں سوسائٹی کی شاندار کامیابی

بمبئی ٹاکیز کی تیار کردہ تصویر سوسائٹی دہلی میں ناولٹی ٹاکیز میں ۱۹ر جون کو ریلیز کردی گئی۔ یہ پکچر دہلی میں بہت پسند کی گئی ہے۔ اداکاروں میں نذیر، ستارہ، مجید، الکنندہ گوپ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سکینہ اینڈ کمپنی

اُجالا

پروڈیوسر ایم اے مغنی کی اوّلین پیشکش "اُجالا" راولپنڈی میں تیسرے ہفتہ میں دکھایا جارہا ہے۔

نکھٹو

کی شوٹنگ تقریباً مکمل ہوچکی ہے اور اُمید ہے کہ اس مہینہ کے آخر تک سنسر ہوجائے گا۔ تصویر کی پبلسٹی اعلیٰ پیمانہ پر کی جارہی ہے۔ ڈائرکٹر حیدر شاہ اس کے کامیاب بنانے کی پوری پوری کوشش کررہے ہیں۔ سکینہ اینڈ کمپنی کا دفتر اس کی بکنگ میں مشغول ہے۔

ماروی

غالباً جولائی کے آخر تک شمالی ہند میں نمائش کے لئے پیش کردی جائے گی۔ جن لوگوں نے اس تصویر کو دیکھا ہے اُن کا خیال ہے کہ یہ تصویر سال رواں کی ایک بہترین تصویر ثابت ہوگی۔ دلکش موسیقی، مسحور کن نغمے اور دلچسپ مکالمے بلند پایہ ڈائرکشن اس تصویر کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

نردوش کی مقبولیت

نیشنل اسٹوڈیوز کا تیار کردہ فلم نردوش مقامی سینما جگت میں نمائش کے لئے پیش کردیا گیا ہے نلنی جینت اور کنہیا لال کا کام بہت عمدہ ہے تصویر دہلی میں پسند کی گئی ہے۔

بھارت پکچرز

اکیلا

میجسٹک سینما دہلی میں تیسرے کامیاب ہفتہ چل رہا ہے۔

کنوارا باپ

۲۶ر جون سے میجسٹک سینما میں نمائش کے لئے پیش کردیا جائیگا۔

اندرا مووی ٹون کی آئندہ تصویر کا نام "ماتا" رکھا گیا ہے۔ اس کو ڈائرکٹر حافظ جی ڈائرکٹ کریں گے۔ اور اداکاروں میں لیشیا رانی، پدما دیوی، کلاوتی، شہزادہ، دارا نور محمد اور اکبر کا انتخاب عمل میں آچکا ہے۔

فلمی مُفتی کے ایک سرپرست کا کاروبار بند

فلمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی مسرت کے ساتھ سُنی جائیگی کہ فلمی مُفتی کے سرپرست اور انتہائی بزدل اور ڈرپوک فلم ساز مسرز موہن پکچرز نے خام اشیاء کی کمیابی کی وجہ سے اپنا فلمی کاروبار بند کردیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قماش کی دوسری فلم ساز کمپنیاں بھی موہن پکچرز کی اس تجویز سے اتفاق کرکے اپنا کاروبار بند کریں۔ ورنہ اگر وہ اس صنعت میں رہ کر ترقی کرنا چاہیں تو ان کو چاہیئے کہ

دِلسُکھ ایم پنچولی کی ہمّت

جُرأت اور مُستقل مزاجی سے فائدہ اُٹھائیں جس نے اس فلمی مُفتی کی چیخ پکار کی ذرّہ بھر پرواہ نہیں کی۔

بمبئی کا ایک ڈائرکٹر ماہم کی سڑکوں پر

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ فلم انڈسٹری کا ایک فضول خرچ و ناکام ڈائرکٹر اپنی ذاتی کمپنی بنانے کی فکر میں لگا ہوا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ دو لاکھ روپے کا فائینس حاصل کرنے کی اُمید پر بمبئی کے ایک اخبار سے بارہ ہزار روپے کا کنٹراکٹ بھی کرچکا ہے۔ کیا اس کو یہ رقم مل جائے گی اس کا جواب تو ماہم کی وہ سڑکیں دینگی جن پر آجکل یہ شب و روز گشت لگا رہا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس قسم کے ناکام و فضول خرچ ڈائرکٹروں کا انڈسٹری کے لئے سخت نقصان کا باعث ہورہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے ڈائرکٹروں کو انڈسٹری سے نکالا جائے۔

خاندان

فلمی مفتی کی چھاتی پر مونگ دلتا ہوا موتی ٹاکیز دہلی میں آٹھویں پُر بہار ہفتہ میں داخل ہورہا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر کا انتظار

پرکاش پکچرز کے تازہ سوشل فلم اسٹیشن ماسٹر کی کامیابی کی جو اطلاعات بمبئی سے موصول ہورہی ہیں ان کے پیش نظر شمالی ہند میں اس کا بیتابی سے انتظار کیا جارہا ہے۔ اسے ڈائرکٹر لوہار نے تیار کیا ہے، اور ریلوے کی زندگی کے نہایت ہی دلچسپ مناظر پیش کئے گئے ہیں جو پردۂ سیمین کے لئے بالکل اچھوتے ہیں اداکاروں میں سے پریم اَدیب، جگدیش، رتن مالا، اوما کانت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک بچے کی جان کس طرح بچائی گئی

"ہم نیچے محترمہ بیگم ظہیر الدین احمد صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل میرٹھ کا ایک خط درج کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ناظرین کرام نہ صرف اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ بلکہ بیگم صاحبہ کے تجربہ اور تحریر سے فائدہ اٹھائیں گے۔" (منیجر ہمدرد دواخانہ دہلی)

جناب محترم! تسلیم۔

میں ہمیشہ یعنی بچپن سے اب تک موسم گرما میں آپکے دواخانہ کا تیار کردہ **شربت روح افزا** برابر پیتی ہوں کیونکہ ہم کو اس کی خوشبو و ذائقہ بہت پسند ہے۔ مجھ کو اس کے پینے سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن گذشتہ ہفتہ جو حیرت انگیز واقعہ ہوا وہ قابل ذکر ہے۔ میری کوٹھی کی جو جھنگن ہے اس کی لڑکی کی عمر چھ سات ماہ ہے۔ کئی بچے ضائع ہونے کے بعد یہ لڑکی ہوئی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ والدین ضرورت سے زیادہ پیار و محبت کرتے ہیں۔ لڑکی مذکور دس بارہ دن سے سخت علیل تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج تھی۔ پانچ یا چھ روز ڈاکٹر موصوف کا علاج ہوا۔ لیکن جب بچی کی حالت گرتی ہی معلوم ہوئی تو ڈاکٹر ۔ صاحب کو دکھایا، دو چار روز ان کا بھی علاج ہوا۔ لیکن حالت غیر ہوتی گئی۔ ماتا کی ماری ماں پھر ڈاکٹر ..... صاحب جو بچوں کے علاج میں خاص شہرت رکھتے ہیں، ان کے پاس لیکر گئی تو ڈاکٹر صاحب اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے، اور جب اس سے کہدیا کہ اب بچے کی زندگی کی اُمید نہیں ہے تو گھر لے جا غریب بچی کو لیکر روتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں نے اس کی حالت غیر دیکھی۔ تیوریاں چڑھے ہوئے، ہونٹ بالکل خشک، زبان باہر کو نکلی ہوئی خشک تھی، ہاتھ پاؤں میں تشنج بھی۔ بلا بچیہ ڈالا ہے تو اس کا حلق اس قدر خشک ہو چکا تھا کہ وہ اس کے حلق و منہ اُترا بمشکل تمام حلق سہلا سہلا کر ایک دو چمچہ پانی اُتر گیا۔ مسلسل پھر دس بارہ چمچے دیئے جو سب اس نے پی لئے، پھر اسے قدرے سکون معلوم ہوا اور سو گئی۔ میں نے ایک چھوٹی شیشی میں شربت گھول کر اسکی ماں کو دیا کہ جب بچی اُٹھے ہی پلاتی رہے۔ غرضکہ دوسرے دن جب اسکی ماں ہمارے ہاں کام پر آئی، اور میں نے بچی کی خیریت پوچھی تو وہ خوشی کے آنسو بہاتی ہوئی میرے قدموں پر گر پڑی اور کہا کہ اب بچی بالکل اچھی ہے اور اس وقت کھیل رہی ہے۔ میں آپکو صدق دل اس حیرت انگیز ایجاد اور شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں اور دعاگو ہوں کہ خدا کرے جیسے شربت نے مسیحائی کی آپکے دواخانہ کی کل ادویات ایسی ہی مؤثر اور تعجب انگیز ہوں۔ دواخانہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ ایکم عورت کی ماننا اور گو نہ رہی ہی بیچاری بہت مشکور تھی اور ہر وقت دست بدعا ہے۔ میں اپنے ہر بہن بھائی کو پر زور سفارش کرتی ہوں کہ وہ ضرور موسم گرما میں **شربت روح افزا** استعمال کریں۔ خصوصیت سے وہ گھر جہاں طفل شیرخوار ہوں ایک بوتل شربت "**روح افزا**" استعمال کریں کیونکہ اگر خدانہ کردہ بچہ کو پیاس ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز پیاس کیلئے تریاق نہیں۔ والسلام۔ بیگم ظہیر الدین احمد بی۔ ایس۔ سی۔ ایل ایل بی وکیل میرٹھ

(قیمت فی بوتل عہ) ۱۲۲ رسول لائن
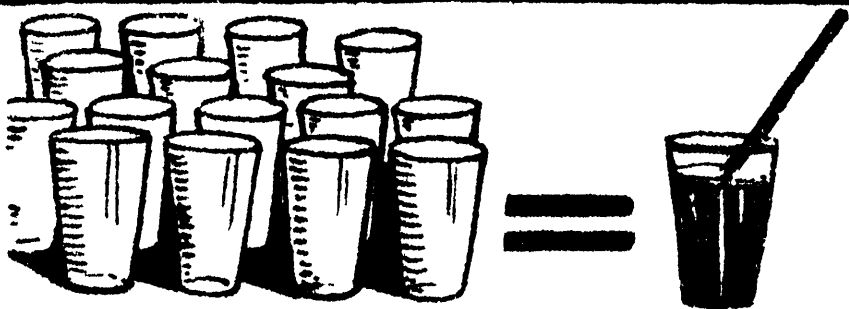
پانی کے سولہ سولہ گلاس

جہاں ذرا سی پیاس لگی اور پانی کا ایک گلاس پی لیا۔ اس طرح لوگ سولہ سولہ اور بیس بیس گلاس پانی کے پی جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی معدہ اور ہاضمہ میں فتور آجاتا ہے قبض ہو جاتا ہے یا دست آنے لگتے ہیں۔ کام کرنے کو دل نہیں چاہتا طبیعت ہر وقت سست اور پریشان رہتی ہے ان سب تکلیفوں سے اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ اپنے جسم کی اندر کی گرمی کو ٹھنڈا رکھیں اور اس گرمی کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے دنیا میں **شربت روح افزا** سے زیادہ کامیاب کوئی چیز نہیں ہے۔

آج ہی سوا روپے کی ایک بوتل لیکر گرمی کے ہر مرض سے چھٹکارا حاصل کیجیے۔
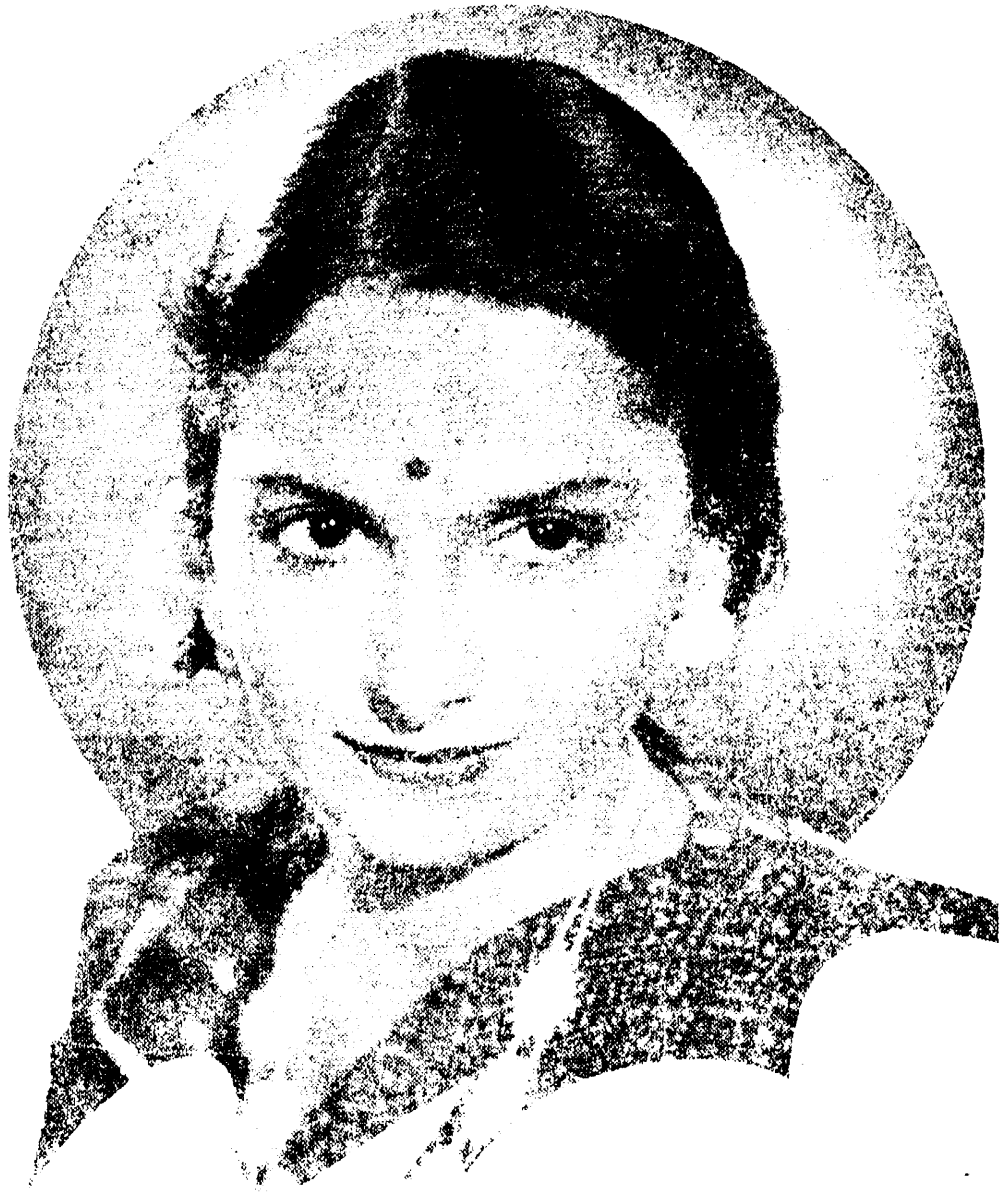
ہمدرد دواخانہ لال کنواں دہلی

ہمدرد دواخانہ - لال کنواں - دہلی

"روپ متی" فلم اسٹیشن ماسٹر میں۔

ذت سنگھ اور ھبلیکر فلم "مالن" میں۔

Edited, Printed and Published by Abdulla Shamim at Ansari Press, Delhi.
Only Cover Printed at the BENGAL PRESS, PUL BANGASH DELHI.
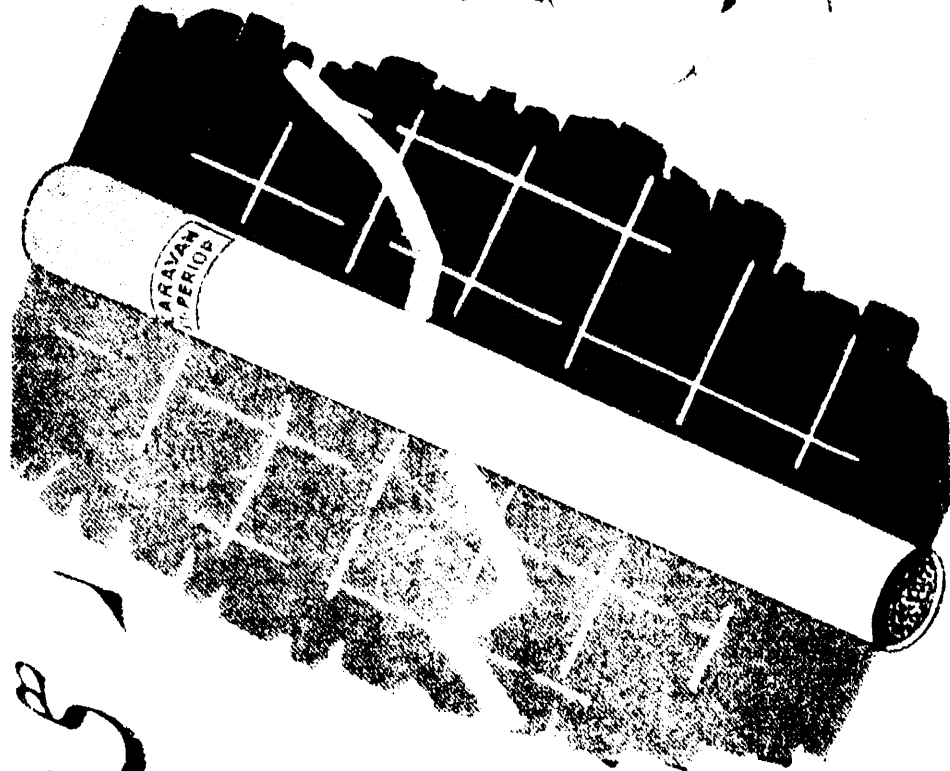
Vol. 4 No. 11 29th JUNE, 1942.

برطانیہ کا لوہے کا کارخانہ جو عالمگیر شہرت کا مالک ہے اور جہاں کا لوہا آجکل جنگی کاموں میں بہت زیادہ مفید ثابت ہو رہا ہے ۔

قیمت فی پرچہ دوآنہ
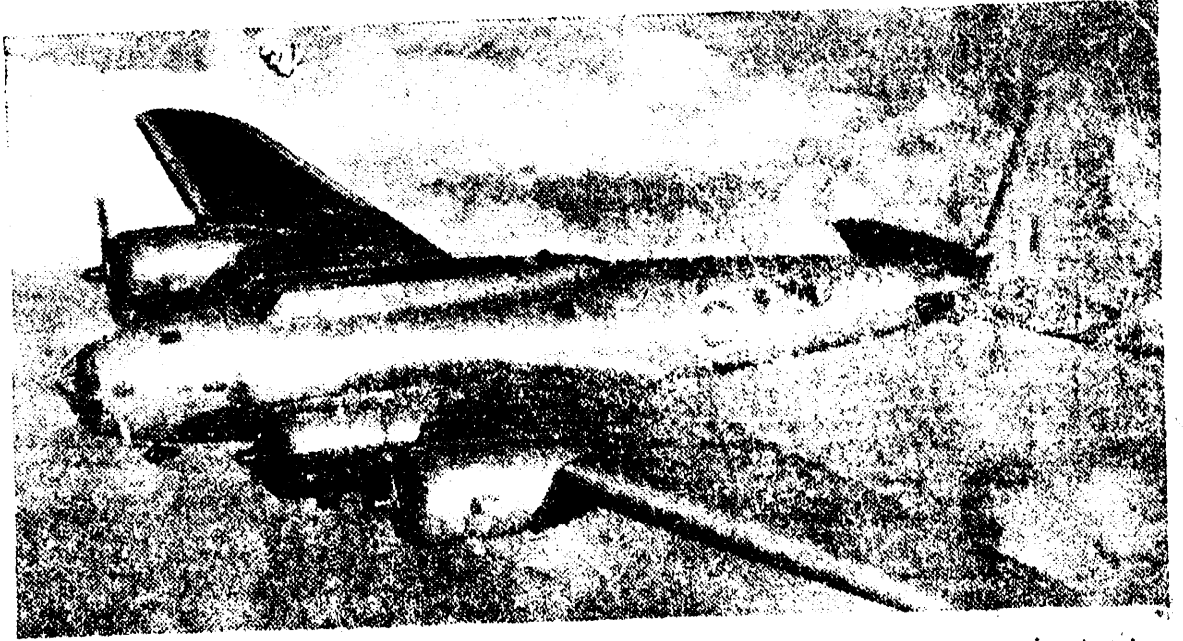
رائل ایر فورس کا "اڑن قلعہ" جو سات میل سطح زمین سے دور ہوکر دکھائی نہیں دیتا - اور نہ اسکی آواز سنائی دیتی ہے *

اسٹیشن ماسٹر میں پریم ادیب اور رتن مالا *

[illegible] فلم ایک رات میں [illegible] *

ترقی پسند مسلم لیگ

مسٹر حق کا نیا مشغلہ
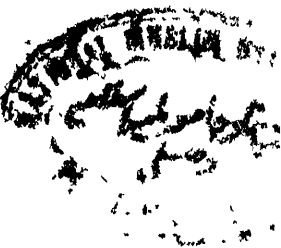
مسٹر فضل الحق ان انسانوں میں سے ہیں جو ہوا کے رُخ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اس کا سبب تلون مزاجی ہو یا وقت شناسی لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ایک سیاسی رہنما کے لئے نئے نئے رنگ بدلنا مناسب نہیں ہے مسٹر حق کی سیاسی زندگی نے جو نئے نئے رنگ بدلے ہیں اس کی ہندوستان میں بہت کم مثالیں ملیں گی پہلے مسٹر حق کانگریس کے ایک پرجوش رکن تھے کلکتہ کارپوریشن کے مسئلہ پر انہوں نے کانگریس چھوڑ کر کرشک پارٹی بنائی۔ انتخاب میں آپ کی پارٹی کا مقابلہ مسلم لیگ کے امیدواروں سے رہا کیونکہ اس وقت تک بنگال میں مسلم لیگ کی بنیادیں زیادہ مضبوط نہیں ہوئی تھیں، جب مسلم لیگ کا بنگال پر کافی اثر قائم ہو گیا تو مسٹر حق مسلم لیگ کے زبردست حامی ہوگئے۔ اس زمانہ میں ان کی جوشیلی تقاریر کی وجہ سے انہیں شیر بنگال کا خطاب دیا گیا بعض اوقات تو شیر بنگال کے دل میں اسلام اور مسلمانان ہند کا اسقدر درد اُٹھتا تھا کہ جوش و خروش میں وہ ہندوستان کے دوسرے فرقوں پر نازیبا اور غیر سنجیدہ حملے کر دیتے تھے۔

ڈیفنس کونسل میں مسٹر فضل الحق کا شامل ہونا اس جماعت سے انحراف کے مترادف تھا جس کے وہ خود ایک سرگرم کارکن تھے لیکن عہدہ کا شوق کہئے یا ضد کہ مسٹر حق تنبیہ کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہے جب اُن کو آئینی کارروائی کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے انہیں جماعتوں کا دامن تھام لیا جن کو وہ اسلام کا دشمن سمجھتے تھے۔

حریف جماعت

مسٹر حق عملی فہم کے سیاست دان ہیں انہیں اس بات کا احساس ہے کہ ان سے نہ صرف ہندوستان اور خود بنگال کے مسلمان ان سے متفق نہیں ہیں، بہرحال انہیں اپنی لیڈرشپ قائم رکھنا ہے اسلئے وہ مسلم لیگ کے مقابلہ میں ایک دوسری حریف جماعت ترقی پسند مسلم لیگ کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مسٹر فضل الحق نے جو پریس میں بیان دیا ہے اسمیں انہوں نے اس نام نہاد جماعت بنانے کی وجوہات بتائی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے سیاسی دشمن ان پر بے بنیاد الزامات عائد کر رہے ہیں اس لئے زیادہ عرصہ تک خاموش رہنا مناسب نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں مسٹر حق نے ان الزامات کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے جن کی وجہ سے انہیں میر جعفر کا خطاب دیا گیا۔ مسٹر حق تردید میں یہی فرماتے ہیں کہ ان الزامات کی وجہ وزارت ہے ان کی مخالفت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وزارت ان کے ہاتھ میں نہ رہے۔

مسٹر حق دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلم لیگ کے رہنما خاصکر مسٹر جناح جنہوں نے شیر بنگال کو مسلم لیگ سے نکال دیا ہے اب غیر اسلامی ہو گئے ہیں اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسے رہنماؤں کے پنجہ سے نجات حاصل کرنا چاہئے اسکے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسی سیاسی جماعت ہونی چاہئے جو مسلمانوں کے مفاد کی نمائندگی کر سکے مسلم لیگ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی اسلئے وہ جماعتیں یا افراد جو مسلم لیگ میں شامل نہیں ہے، ہم ان سب کو شامل کرکے ایک اہم جماعت کی تشکیل دی جا سکتی ہے آخر میں مسٹر حق نے یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ ترقی پسند مسلم لیگ بالکل اسلامی اصولوں کی حامل ہوگی اور ہر طرح اسلام کی خدمت کریگی، اور ساتھ ہی مسلمانوں میں وسیع النظری پیدا کرے گی۔

اہم پہلو

ترقی پسند مسلم لیگ کے جو مقاصد اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کا زیادہ تر تعلق خود مسٹر حق کی ذات گرامی سے ہے نہ کہ اسلام اور ہندوستان کے مسلمانوں سے مذہب کے نام پر ذاتی اغراض کی خاطر جماعتیں بنانا کوئی نئی بات نہیں ہے ہندوستان میں تو مذہب کے نام پر بھولے بھالے عوام کو اکثر بے وقوف بنایا گیا ہے اس لئے ترقی پسند مسلم لیگ کا بھی اس سے زیادہ اور کچھ مقصد نہیں ہے کہ مسٹر حق کو کھوئی ہوئی قیادت حاصل ہو جائے۔ اور خاصکر بنگال کے مسلمان اُن کے حامی بنے رہیں۔

مسلم لیگ یا اس کے رہنماؤں پر سطحی قسم کے الزامات عائد کرکے مسٹر حق کا موجودہ طرز عمل کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ وہ محض ذاتی مخالفت کی بنا پر مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچائیں۔ اس نئی جماعت میں ممکن ہے کہ ایسے عناصر شامل ہو جائیں جو مسلم لیگ کے ڈسپلن سے بچنا چاہتے ہوں یا خواہ مخواہ اس سے بغض رکھتے ہوں۔ اس لئے اس بات کی توقع رکھنا کہ یہ جماعت خالص اسلامی اصولوں کی حامل ہوگی درست معلوم نہیں ہوتا۔

مسٹر حق نے سیاست میں جو رنگ بدلے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کا کوئی سنجیدہ مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا کہ ان کا یہ اقدام سنجیدگی پر مبنی ہے۔ آج اگر مسٹر حق مسلم لیگ کا ڈسپلن تسلیم نہیں کرتے اور محض ذاتی اغراض کی خاطر مسلم لیگ کے مخالفین سے اشتراک کر رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ ترقی پسند مسلم لیگ کو بھی مسٹر حق غیر اسلامی قرار دیں اور پھر کوئی نئی جماعت بنانے کی کوشش کریں۔

اعتراضات

ہم فی الحال یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ مسلم لیگ سے بعض اوقات لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ یا اس کے اندر چند کمزوریاں ہیں۔ اسلئے اگر کوئی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا دعوےٰ کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں مزید انتشار پیدا کرے موجودہ حالات میں جبکہ جاپان ہندوستان کے چند شہروں پر بمباری کر چکا ہے اور بیرونی حملہ کا خطرہ سر پر لگا ہوا ہے ملک کے اندر اتحاد کی ضرورت ہے اول تو ہمارے ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کی خلیج حائل ہے۔ اگر فرقوں میں اندرونی اختلافات بڑھانے کی کوشش کی گئی تو ملک میں اتحاد کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ مسٹر حق اپنی وزارت کو اتحاد کا ایک نمونہ بتاتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ ایسے نازک موقع پر مسلم لیگ کے خلاف ایک نئی حریف جماعت قائم کرکے وہ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ہندوستان کے مختلف فرقوں میں اتحاد قائم کرنے کی آواز آج ہر گوشہ سے اٹھ رہی ہے ایسے موقع پر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر فرقہ میں یکجہتی ہو تاکہ وہ ایک آواز ہو کر اپنے مخصوص مطالبات دوسرے فرقوں کے سامنے رکھ سکے۔ خاص طور پر اقلیتوں کے لئے جن میں مسلمان ایک اہم اقلیت ہیں۔ اندرونی اتحاد قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر مسلمانوں میں اس وقت اندرونی خانہ جنگی شروع کی گئی تو ملک کے سامنے ایسے مطالبات نہیں پیش کئے جاسکتے جنہیں دوسروں سے تسلیم کرایا جا سکے۔

اس لئے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جب کہ ایک طرف بیرونی حملہ کا خطرہ لگا ہوا ہے اور ملک میں اتحاد کی سخت ضرورت ہے اور دوسری جانب خود مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے مطالبات پیش کرنے میں ایک آواز ہوں مسٹر فضل الحق کا مذکورہ اقدام نامناسب ہی نہیں بلکہ خطرناک ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے چند افراد کو اپنا ہم خیال بنالیں اور محض نمائش کے لئے ایک جماعت کا ڈھونگ کھڑا کر لیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ مولوی فضل الحق کی ترقی پسند مسلم لیگ ایک کاغذی جماعت سے زیادہ اہمیت نہ رکھے گی، ہندوستان کے مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ تمام فرقوں کو مسٹر حق کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے اقدام سے ملک میں انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ہم مسٹر حق کی تلون مزاجی سے بخوبی واقف ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ موجودہ نازک حالات میں ایسے بے جوڑ بیانات جن سے کہ ان کے ساتھی اس مسئلے کے سوا اب کوئی دوسری چیز نہیں ہے پھر بھی ہم ان سے امید کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت اور مسلمانوں کا مفاد پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے اس اقدام سے باز

روسی جرمن لڑائی

پورا ایک سال ہوا جب ہٹلر نے ۲۲-جون ۱۹۴۱ء کو سوویٹ روس پر اچانک حملہ کیا تھا۔ اس ایک سال کے عرصہ میں تمام دنیا کی نظریں روس کے محاذ پر لگی رہیں۔ جن لوگوں کو سوویٹ روس کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ یا ان کے اطلاعات کے ذرائع قابل اعتماد نہیں تھے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ دوسرے مغربی سرمایہ دار ممالک کی طرح چند ہفتوں میں روس بھی ہتھیار ڈال دے گا۔ لیکن اس کے برخلاف روسی جرمن لڑائی کی ایک سال کی ڈائری دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روس سال بھر تک جرمن کا نہ صرف مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ بلکہ اسی دوران میں اس نے نازیوں کی فوجی طاقت پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے کہ اسے اپنے نقصانات کی تلافی کرنا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ شروع میں محض اچانک حملہ کی وجہ سے نازیوں کو کچھ کامیابی حاصل ہوگئی تھی لیکن اس کے بعد ہٹلر کی فوجوں کو مسلسل نقصانات برداشت کرنا پڑ رہے ہیں۔ ہٹلر کا یہ دعویٰ کہ وہ روس کو چند ہفتوں میں ختم کر دیگا، بالکل غلط ثابت ہوا۔ نام نہاد موسم بہار کا حملہ شروع کرنے کی ہمت ہٹلر کو ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ اور غالباً ہٹلر کا یہ خواب آیندہ بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکیگا۔

روس کی شاندار کامیابی کی وجہ دراصل وہاں کا اشتراکی نظام سرمایہ دارانہ نظام کے بالکل برعکس ہے جس میں ذرائع پیداوار مثلاً کارخانے، ریلیں۔ کانیں اور بنک وغیرہ چند افراد کے نہیں، بلکہ محنت کرنے والوں کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ایسے نظام سے ملک کا ایک ایک فرد مطمئن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر روسی اپنا ملک اور نظام بچانے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے میں دریغ نہیں کرتا۔ روس کی بہادری نے تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پرانے مخالفین بھی اشتراکی نظام کی خوبیاں تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ ایسے ملک پر حملہ ہونے کے بعد جہاں لوٹ کھسوٹ ختم ہوگئی ہو، اور جو ایک نئی تہذیب کا گہوارہ ہو موجودہ جنگ کی نوعیت بدلنا ضروری ہے۔ سوویٹ روس پر حملہ ہونے سے پہلے مختلف ممالک کی سرمایہ دار حکومتیں سامراجی مقاصد کے لئے جنگ لڑ رہی تھیں۔ سوویٹ روس کو جنگ میں گھسیٹنے کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کے تمام عوام فاشیت کے خلاف صف بند ہو جائیں۔ اور ان کی تمام ہمدردیاں روس کے ساتھ ہوں۔ ہندوستان کے لئے جس میں لاکھوں بھوکے غریب انسان بستے ہیں، اور جو سرمایہ داری اور سامراج کا شکار ہے۔ سوویٹ روس سے ہمدردی کرنا قدرتی امر ہے۔ اسی ہمدردی کے پیش نظر روسی جرمن لڑائی کے ایک سال ختم ہونے پر سوویٹ عوام کی بہادری کی داد دینے، اور اس سے اظہار ہمدردی کرنے کے لئے ہندوستان کے کونہ کونہ میں سوویٹ روس دن منایا گیا۔ ہم بھی اس موقع پر سوویٹ کے عوام کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

غلہ زیادہ پیدا کرو

موجودہ جنگ صرف مختلف محاذوں پر ہی نہیں لڑی جا رہی ہے۔ بلکہ اس کے لئے ملک کے اندر کارخانوں اور کھیتوں میں بھی جد و جہد کی جا رہی ہے۔ چنانچہ حکومت اور ملک کی دیگر سیاسی جماعتیں غلہ زیادہ پیدا کرنے کا پرچار کر رہی ہیں تاکہ ایک طرف تو جو کچھ غلہ کی کمی ہے وہ دور ہو جائے، اور دوسری جانب ملک میں غلہ کا اتنا کافی ذخیرہ جمع ہوسکے جو ہنگامی حالات میں کام آسکے۔ ابھی تک ہندوستان کی سرزمین سے جنگ کچھ دور ہے۔ اس لئے ہمیں یہ زریں موقع حاصل ہوگیا ہے کہ موجودہ امن کے زمانہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کریں۔

غلہ زیادہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں آنریبل این آر سرکار نے بھی آل انڈیا ریڈیو دہلی سے حال ہی میں ایک تقریر نشر کی۔ جس میں آپ نے بتایا کہ ہندوستان کو غلہ زیادہ پیدا کرنے میں ان مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا جو آج یورپ کے مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس وقت اگر ہم اس طرف متوجہ ہو جائیں، تو ہماری کوششیں آیندہ جنگ ختم ہونے کے بعد مفید ثابت ہوں گی۔ آپ نے ذرائع رسل و رسائل کی مشکلات بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر علاقہ کو غلہ اور کھانے پینے کی اشیاء کے اعتبار سے خود اپنا کفیل آپ ہو جانا چاہئے۔ آپ نے جام صاحب اور گورنر بمبئی کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بھی باغ کی کیاریوں میں باجرہ اور سبزیاں لگا رہے ہیں۔

ہم غلہ پیدا کرنے کی تحریک کے پوری طرح حامی ہیں کیونکہ ہمارے سامنے صرف ملک کی موجودہ ضرورتیں ہی نہیں۔ بلکہ آنے والے ہنگامی حالات بھی ہیں، جب غلہ کی سخت ضرورت ہوگی۔ لیکن اس سلسلہ میں ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو طریقہ حکومت ہند نے اختیار کیا ہے وہ زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوگا۔ حکومت ہند کو اس تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ غلہ پیدا کرنے والے ہندوستان کے اسی فیصدی کسان ہیں۔ صرف جام صاحب یا گورنر بمبئی کی کوششوں کا نتیجہ اتنا ہی ہوگا جیسے سمندر میں ایک قطرہ شامل کر دیا جائے۔ ہندوستان کے کسان کی جو موجودہ حالت ہے اور وہ کاشت کے لئے جو ذرائع استعمال کرتا ہے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت ہند کی تحریک کا زیادہ کامیاب ہونا مشکل ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کے کسانوں کی جماعت آل انڈیا کسان سبھا کے چند نمایندوں سے مشورہ کرنے کے بعد موجودہ حالات میں کسانوں کی حالت سدھارنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اس میں حکومت مطلق پس و پیش نہ کرے۔ ہم حکومت ہند سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنی تحریک کامیاب بنانے کے لئے براہ راست کسانوں کی طرف متوجہ ہو۔ اور ان کے لئے ہر ممکن آسانیاں فراہم کرے۔

طبروق

اتحادیوں کے ہاتھ سے طبروق نکل جانا ایک زبردست نقصان ہے۔ جو انہیں مشرق بعید کے نقصانات کے بعد برداشت کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اچانک طور پر طبروق محوریوں کے قبضہ میں آجانے سے انگلستان اور امریکہ کے اخبارات ہماری ہائی کمان۔ پروپیگنڈہ اور جنگی سامان کی تقسیم پر سخت نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ طبروق اگرچہ مالٹا یا جبرالٹر کی طرح مسلح نہیں کیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی گذشتہ چھ سات ماہ سے اس کی اہمیت کی وجہ سے مسلسل وہاں ہر قسم کی رسد پہنچائی جا رہی تھی۔ چنانچہ جنرل رومل نے جب پہلی مرتبہ اس پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس میں ناکامیاب رہا اور اس کی فوجوں کو شدید نقصانات اٹھانا پڑے۔ اس کی وجہ دراصل یہی تھی کہ اسے ہر ممکن طریقہ سے محفوظ بنا دیا گیا تھا لیکن ریگستانی علاقہ میں مدافعت محدود طریقہ پر کی جاسکتی ہے۔ اس لئے جنرل رومل نے یہ چال چلی کہ اس نے اپنی کچھ فوج کا رُخ تو بارڈیا کی جانب کر دیا۔ پھر کافی قوت کے ساتھ طبروق پر حملہ کر دیا۔

طبروق کی لڑائی سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اچانک حملہ ایک بہترین جنگی چال ہے۔ جو اکثر کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے مدافعت کے سلسلہ میں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ دراصل اس کا دار و مدار جنرل شپ پر ہے۔ سات ماہ تک پریشان ہونے کے بعد جنرل رومل نے چالاکی سے کام لیا اور وہ کامیاب ہوگیا۔ اس لئے مشرق وسطیٰ میں جنگی سامان کے علاوہ جس بات کی اہم ضرورت تھی وہ ہوشیار جنرل شپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستان کے اخبارات نے مشرق وسطیٰ کی جنرل شپ پر بہت سخت نکتہ چینی کی ہے اور وہاں کی ہائی کمان میں جلد از جلد تبدیلی کا مطالبہ کیا ہے

طبروق کے سقوط سے براہ راست جنگ کی رفتار پر اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جنگی سامان اور سپاہیوں کے نقصانات کے علاوہ طبروق جیسا ضروری بحری اڈہ اتحادیوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ چنانچہ مصر کی جانب محوریوں نے بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر طبروق کی طرح بحیرہ روم کے کسی ایک بحری اڈہ پر محوریوں کا قبضہ ہوگیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ نہر سویز اتحادیوں کے لئے بالکل بند ہو جائے گی اور بحر روم سے ان کا اقتدار تقریباً ختم ہو جائے گا۔ نازیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے مصر میں اتحادیوں نے پہلے سے انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس لئے امید ہے جنرل شپ میں تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد اتحادی طبروق پر دوبارہ قبضہ حاصل کرسکیں۔

نوآبادیات اور صنعتی پیداوار

مسٹر ہیرلڈ میکملن، نائب سکریٹری نوآبادیات نے حال میں برطانوی نوآبادیات میں صنعتی پیداوار بڑھانے کے متعلق ایک تقریر کی۔ آپ نے مشرق بعید کی نوآبادیات ہاتھ سے چلے جانے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح برطانیہ ساٹھ فیصدی ٹین۔ ۹۰ فیصدی ربڑ اور اہم ضروریات مثلاً سیسہ۔ شکر۔ چائے اور چاول کی کافی مقدار سے محروم ہوگیا ہے۔ اس کمی کو اس طرح پورا کیا جاسکتا ہے کہ نوآبادیات میں پیداوار کی رفتار بڑھائی جائے۔

مسٹر میکملن نے ذرائع رسل و رسائل کی مشکلات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہر نوآبادی اپنی ضروریات کی کفیل خود ہو جائے۔ تو جہازوں کا مسئلہ حل ہو جائیگا۔ اور انہیں ہم ضروری کاموں کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ان مشکلات کا اظہار بھی کیا۔ جو نوآبادیوں

میں صنعتی ترقی کے راستہ میں حائل ہیں۔

در اصل دیکھا جائے تو جو مشکلات آج کل حکومت برطانیہ کو پریشان کر رہی ہیں، بڑی حد تک ان کی ذمہ داری خود اسی کی سامراجی پالیسی پر ہے۔ جب ال سے خود انگلستان کے بازار بھر گئے۔ تو برطانوی سرمایہ داروں کو ایسی منڈیوں کی ضرورت ہوئی جہاں سے وہ کچا سامان حاصل کر سکیں اور اپنے کارخانوں کا بنا ہوا سامان فروخت کر سکیں۔ اس لئے بجز ان چند صنعتوں کے جنہیں صرف مقامی طور پر نو آبادیات ہی میں فروغ دیا جا سکتا ہے باقی تمام صنعتیں برطانوی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں رہیں۔ اس سامراجی پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نو آبادیوں میں جو برطانوی سرمایہ داروں کی منڈیاں تھیں، صنعتی ترقی کے راستے بالکل مسدود ہو گئے یہاں تک کہ نو آبادیات کے سرمایہ داروں کو صنعتوں میں برطانوی سرمایہ داروں سے مقابلہ کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اور ایسی پابندیاں عائد کی گئیں۔ جن کی وجہ سے نو آبادیاں صنعتی ترقی سے محروم رہیں۔

موجودہ جنگ نے بہرحال سامراجی پالیسی پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اب برطانوی حکومت کو خاص کر مشرق بعید کے دا نغات نے اپنی گذشتہ پالیسی بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ خاص طور پر انگلستان کے عوام کو اب اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ یہ جنگ سامراجی مقاصد کو خیرباد کہہ کر ہی جیتی جا سکتی ہے۔ لیکن اس وقت بھی حکومت برطانیہ میں کچھ پرانے رجعت پسند اور سامراجی پالیسی کے حامی افراد موجود ہیں، جو وہاں کے عوام کے احساسات کی نمائندگی نہیں کرتے۔ ان کی حکومت میں موجودگی کی وجہ سے خواہ مخواہ پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہمیں امید ہے انگلستان کے عوام بہت جلد اس قسم کے عنصر کو حکومت سے علیحدہ کر کے اپنی نو آبادیاتی پالیسی میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کریں گے اور نو آبادیات کے عوام کو موجودہ جنگ میں مساوی حیثیت سے اپنا ساتھی بنائیں گے۔

راجہ جی کی مسٹر جناح سے ملاقات

اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ بمبئی مسٹر راج گوپال اچاریہ نے مسٹر جناح سے کئی مرتبہ ملاقات کی۔ ابھی تک ان ملاقاتوں کی تفصیلات پریس میں نہیں آئی ہیں لیکن کئی گھنٹہ تک گفتگو کرنے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ گفتگو کا موضوع نہایت سنجیدہ تھا۔ ایک کے بعد دوسری ملاقات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ راجہ جی اور مسٹر جناح میں کوئی مشترک چیز ضرور ہے، ورنہ اگر اختلاف ہوتا تو گفتگو کا سلسلہ جاری ہی نہ رکھا جاتا۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے راجہ جی کی مسٹر جناح سے ملاقات بہت اہمیت رکھتی ہے راجہ جی ایک حقیقت پسند انسان ہیں، وہ ان خطرات کو محسوس کر رہے ہیں جو ہندوستان پر بیرونی حملہ کی وجہ سے ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ جی ملک میں اتحاد قائم کرنے کے لئے معقول بنیادوں پر کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ کرانا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ مسٹر جناح کو اسی وقت سے راجہ جی سے تعاون کرنا چاہئے تھا جب انہوں نے کانگریس لیگ اتحاد کا نعرہ بلند کیا تھا۔ بہرحال ہمیں امید ہے کہ راجہ جی اور مسٹر جناح کی موجودہ ملاقات ملک میں اتحاد قائم کرنے کے لئے مفید ثابت ہو گی۔

شعاعیں

کمیونسٹوں کی پوزیشن

کچھ عرصہ سے نام نہاد قوم پرست حلقوں میں جن میں اکثر اخبارات بھی شامل ہیں ہندوستان کے کمیونسٹوں پر نہایت سطحی قسم کے حملے کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے کمیونسٹوں کی موجودہ پالیسی پر جو نکتہ چینی کی جا رہی ہے اس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ اکثر لوگ ابھی تک محض غلط فہمیوں کا شکار ہیں اس کا اندازہ ہمیں معترضین کی نکتہ چینی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

کمیونسٹوں کی موجودہ پالیسی پر ایک اہم اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ وہ موجودہ جنگ کو عوام کی جنگ کہتے ہیں اس لئے وہ حکومت ہند سے مل گئے ہیں، اور انہوں نے اپنی گذشتہ انقلابی روایات کو خیرباد کہہ دیا ہے ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ معترضین کے ذرائع معلومات کیا ہیں۔ بہرحال جاپان یا محوری طاقتوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنا اگر حکومت ہند سے ساز باز کر لینے کے مترادف ہے تو پھر ہندوستان کے ذمہ دار رہنماؤں مثلاً پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور ڈاکٹر راجندر پرشاد وغیرہ کو بھی کمیونسٹوں کی صف میں شامل کرنا چاہئے۔ یہ رہنما بھی اکثر تقاریر اور بیانات کے ذریعہ سے فاشسٹ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ در اصل موجودہ جنگ کو عوام کی جنگ کہنے سے یہ مطلب ہے کہ موجودہ جنگ میں دنیا دو کیمپ میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف محوری طاقتیں ہیں جن میں جرمنی، جاپان، اٹلی شامل ہیں، اور دوسری طرف اتحادی ہیں، جن میں خاص طور پر روس، چین، امریکہ اور برطانیہ قابل ذکر ہیں۔ دنیا جس میں ہندوستان بھی شامل ہے اس کی آزادی اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ فاشی طاقتوں کو ختم کیا جائے۔ اب سوال رہ جاتا ہے کہ ہندوستان موجودہ عوام کی جنگ میں کس طرح حصہ لے سکتا ہے؟ اس کے متعلق کمیونسٹ صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہندوستان کی نوکر شاہی حکومت کی موجودگی میں ملک کے کل ذرائع جنگ کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے اس لئے ایک قومی حکومت کی ضرورت ہے جس میں ہندوستان کی اہم سیاسی جماعتیں شریک ہوں، اسی طرح صوبوں میں بھی مشترکہ حکومتیں قائم کی جائیں۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے سمجھوتہ پر زور دے رہے ہیں، اور بیرونی حملہ کے پیش نظر ملک میں اتحاد پیدا کرانے اور عوام میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کا نعرہ ہے یہ ملک ہمارا ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

ہمیں معترضین کی محدود معلومات پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسٹر ایم۔ این۔ رائے اور ان کی پارٹی اور کمیونسٹوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایم۔ این۔ رائے کمیونسٹ پارٹی سے ان کی رجعت پسند پالیسی کی وجہ سے مدت ہوئی نکال دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی پارٹی فاشیت کی مخالفت کر رہی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں۔ کہ اس کا تعلق کمیونسٹوں سے ہے۔ ہمیں سب پارٹیوں کے وہ راستے دیکھنے چاہئیں جو وہ اس وقت موجودہ جنگ کے متعلق اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان کو سمجھنے کے بعد ایک دوسرے سے امتیاز کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ بات تمام دنیا کے علم میں ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان کی کمیونسٹ غیر قانونی ہے، اور سینکڑوں کمیونسٹ رہنما آج بھی جیلوں میں بند ہیں۔ ان حالات میں ہندوستان کے کمیونسٹوں پر ناز بیا حملے کرنا محض ناسمجھی ہے۔

غلہ پر کنٹرول

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ غلہ کنٹرول کے سنہ ۱۹۴۲ء کے احکامات کا تعلق گیہوں، گیہوں کے میدے، آٹے، سوجی، جو، چاول، مکا، جوار اور باجرہ سے ہو گا۔ ان احکامات کے سلسلہ میں یہ اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں کہ چیف کمشنر ڈپٹی کمشنر، سپرنٹنڈنٹ انڈسٹریز، ریونیو آفیسر (جس کا عہدہ اسسٹنٹ کلکٹر سے کم نہ ہو گا) اور پولیس افیسر (جو انسپکٹر یا اس سے بڑے عہدہ کا ہو گا) ایسے اختیارات دیدیئے ہیں جن کی رو سے وہ اس بات کی دیکھ بھال کریں گے کہ آیا ان احکامات کی پوری طرح پابندی کی جا رہی ہے یا نہیں۔ یہ افسر ہر جگہ داخل ہو سکتے ہیں، اور وہاں کا ہر طرح معائنہ کر سکتے ہیں۔ خاصکر ایسے حالات میں جب انہیں کہ غلہ خرید و فروخت کرنے یا غلہ جمع کرنے کے سلسلہ میں احکامات مذکورہ بالا کی پابندی نہیں کی جا رہی ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو یہ احکامات تفویض کئے گئے ہیں کہ وہ طبع شدہ فارموں پر غلہ فروخت کرنے کے لئے لائسنس کی درخواستیں وصول کرے۔ ان احکامات کا تعلق گذشتہ اس کنٹرول کانفرنس سے ہے جو حکومت کی طرف سے دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ چھ ماہ پہلے دہلی میں آٹے اور گیہوں کا جو قحط ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے دہلی کے باشندوں میں جو بے چینی پھیل گئی تھی۔ کئی روز تک شہر میں خالص گیہوں کا آٹا دستیاب ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے صرف باجرہ کے آٹے پر بسر کی۔ اس پریشانی کی وجہ در اصل یہ تھی کہ اشیا کی قیمتوں پر پابندی عائد ہو جانے سے بیوپاریوں نے غلہ فروخت کرنا بند کر دیا تھا، اور اس کے علاوہ ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ بھیجنے پر جو پابندیاں عائد کر دی گئیں تھیں ان کے سبب سے بھی باہر سے دہلی میں گیہوں کی درآمد پر اثر پڑا تھا۔ ابھی تک غلہ میں خصوصیت کے ساتھ گیہوں پر کنٹرول کیا گیا تھا۔ موجودہ احکامات کی رو سے گیہوں کے دیگر اجناس کی قیمتوں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی غلہ کے بیوپاریوں کو لائسنس حاصل کرنے کی پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے تاکہ یہ بات حکومت کے علم میں رہے کہ شہر میں کل غلہ کتنا ہے اور کس کس کے پاس ہے۔ ایسی صورت میں غلہ کے بیوپاری محض منافع کی خاطر غلہ دبانے سے گریز کریں گے اور عوام کو غلہ کی گذشتہ دنوں کی طرح شکایت کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

ہمیں امید ہے کہ حکومت کا یہ اقدام عوام کے لئے مفید ثابت ہو گا لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ غلہ کے بیوپاری عوام کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس معاملہ میں حکومت سے پوری طرح تعاون کریں۔

خیال دوشیں

عربک کالج کا نا اہل سکریٹری

عربک کالج کے سکریٹری کی بدکرداریوں کی رپورٹ طبع ہونے کے بعد منظرِ عام پر لانے سے کیوں گریز کیا جا رہا ہے

عربک کالج کے سکریٹری مسٹر رشدی کی بد فعالیاں جب مدت سے زیادہ گذرنے لگیں اور ان کی بدکرداریوں کے افسانے پبلک میں آنے لگے تو سوسائٹی کے ممبران نے اس کو محسوس کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ اگر یہ افسانے حقائق ہیں تو اس کے جرم کی سزا ملنی چاہئے ورنہ عربک کالج کے مفاد کی خاطر اس کی تردید ہونی چاہئے تاکہ پبلک میں غلط قسم کی افواہیں نہ پھیل سکیں۔

چنانچہ بعض مخلص عربک کالج سوسائٹی کے ممبران نے اس کے لئے کوشش کی ذاتی طور پر سکریٹری عربک کالج سے معلومات چاہیں لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور ایک طرف معاملہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بلا حقیقت بتلائے نجات چاہی ممبران اس پر مطمئن نہ ہوئے اخبارات نے بھی ان ناگفتہ بہ حالات پر حاشیہ آرائی کی اور صاف صاف الفاظ میں مسٹر رشدی کی کیرکٹر پر الزامات لگانے شروع کر دیئے ممبران سوسائٹی پر اس کا اور اثر ہوا کہ معاملہ نبا تو نہ پر ہونے ہونے کا غذ پر آنے لگا جس سے ممبران سوسائٹی نے اپنی جد و جہد تیزتر کر دی اور سوسائٹی کی میٹنگ میں یہ معاملے آئے جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ان الزامات کی تحقیقات کی جائے۔ اگر یہ الزامات صحیح ثابت ہوں تو ملزم کو اس کی پوری پوری سزا ملنی چاہئے ورنہ پروپیگنڈا کرنے والے اخبارات کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

اس تجویز پر کافی بحث و تمحیص ہوئی بڑے بڑے ڈورے پھینکے گئے۔ داؤں پیچ ہوئے لیکن آخر میں یہ ماننا پڑا کہ تحقیقات ہونی چاہئے جس کے لئے سوسائٹی نے ایک شخص واحد نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مقرر کر دیا اور ان کو اختیارات دیدیئے کہ وہ جس کو چاہیں اپنے ساتھ شامل کر لیں انہوں نے اپنے ہمراہ اور چند لوگوں کے علاوہ ڈاکٹر ذاکر حسین کو بلا لیا اور تحقیقات شروع کی الزامات کے ثبوت میں بیانات ہوئے ذمہ دار اور مخلص طبقے نے رشدی کے افعال کی حقیقت کھول دی اور ایک ایک بات واضح کر کے بیان کی اور ثابت کیا کہ مسٹر رشدی نے بد دیانتی اور شیطنت سے محمود ہ بانو کو علیحدہ کیا۔

ان الزامات کی صفائی میں کچھ لوگ پیش ہوئے اور دونوں جانب سے بیانات ہونے کے بعد رپورٹ مکمل ہو گئی۔ چھپ گئی اور اس نے کتابی شکل اختیار کر لی۔

کافی دن گذر گئے ہیں لیکن وہ منظرِ عام پر نہیں آتی نہیں معلوم کہ کیوں اس کو پوشیدہ رکھے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ رپورٹ عام ہونی چاہئے تاکہ اگر حقیقتاً سکریٹری نے کچھ کیا ہے تو اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے ورنہ اگر وہ معصوم اور بے گناہ ہے تو اس کی پوزیشن اور عربک کالج کی پوزیشن صاف ہو جائے۔

پبلک میں جس قسم کے شبہات زنانہ عربک اسکول کے متعلق پائے جاتے ہیں ان کا قیام عربک کالج کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ ان کی موجودگی میں کوئی شریف اور باعزت مسلمان کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اس زنانہ اسکول میں بھیجے اور ان کے کیرکٹر کو خراب کرائے۔

ضرورت ہے کہ نواب زادہ لیاقت علی خاں جلد از جلد رپورٹ کو منظرِ عام پر لائیں تاکہ واقعات صحیح شکل و صورت میں پبلک کے سامنے آ جائیں۔

دورِ حاضرہ کے میر جعفر کے نام

(از مولانا قابل صدر بزم دہلی۔ دہلی)

۲۵ر جون کو اتفاقاً مولانا قابل سے ملاقات ہوئی میں نے درخواست کی کہ شیر بنگال کے موجودہ طرزِ عمل کے متعلق بطور پیغام کوئی نظم عنایت فرما دیجئے۔ موصوف نے میری درخواست پر فی البدیہہ حسب ذیل اشعار چند منٹ میں حوالے کر دیئے ان اشعار کو بڑی مسرت و ممنونیت کے شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

فطرتِ روباہ شیری کی ہو جس کی دستگیر
قوم کی نظروں میں ایسا فرد ہوتا ہے حقیر

تھا غلط اندیش جو دل نقص میں کامل ہوا
فضلِ حق کے سر پہ تازہ قہرِ حق نازل ہوا

شیرِ بنگال اپنی ٹھوکر سے ہو پامال آج کل
سحر دشمن بن چکا ہے سحرِ بنگال آج کل

ہے غلط پندار اگر تار اندۂ درگاہِ قوم
کیا بنے گا قوم کا لیڈر جو ہے گمراہِ قوم

ہے جو ملت کی نمائندہ جماعت "لیگ ہے"
قوم کی نظروں میں حقدارِ اطاعت لیگ ہے

راہ اور وہ راہ ہو جو قوم و ملت کے خلاف
اس سے لازم ہے تجھے اے فردِ ملت انحراف

ہندو و انگریز کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی نہ بن
قوم کا دم ساز ہو تو قوم کا باغی نہ بن

تجھ سے ہمدردی ہو اب بھی قوم کو یہ یاد رکھ
ہو سکے تو قوم ہی کے غم سے دل آباد رکھ

تیرے جذبات گذشتہ اب بھی سب کو یاد ہیں
تیری حالت پر سبھی مغموم ہیں ناشاد ہیں

تیری ملت کے عدو خوش ہیں ترے اقدام پر
شرم کر لے بندۂ گمراہ ایسے کام پر

گوش شنوا ہو تو سن قابل کی یہ آواز ہے
تیرا مسلک تیرے بد انجام کا آغاز ہے

محوری پروپگنڈے کی اصلیت

(محوری طاقتوں میں برلین روم اور ٹوکیو سے ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے اور واقعات کو مسخ کرکے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کو محوری طاقتوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ ممکن ہے کہ ہندوستان کے بے پڑھے لکھوں میں سے کچھ لوگ محوری طاقتوں کے غلط پروپگنڈے کا شکار ہو جاتے ہوں۔ لیکن ہندوستان محوری طاقتوں کی لفظی ہمدردی پر تو اعتماد نہیں کر سکتا۔ ان خونخوار طاقتوں کے مظالم کی تاریخ اس کے سامنے ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ محوری طاقتوں کے سامنے ان کے اغراض و مقاصد ہیں۔ اس لئے موجودہ نازک حالات میں جبکہ ہندوستان پر جاپان کا حملہ ہو چکا ہے، محض انگریزوں کی مخالفت میں ملک کو جاپان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل کے مضمون میں بہت خوبی کے ساتھ محوری طاقتوں کے بے بنیاد پروپگنڈے کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے۔ - مدیر)

مولانا عبدالمجید سالک

نازیوں کا دعویٰ ہے کہ برلن روما اور ٹوکیو کے ریڈیو سو فیصدی سچ بولتے ہیں۔ لیجئے مثال کے طور پر ایک تازہ خبر سن لیجئے۔ ۷ جون کو برلن ریڈیو نے ہندوستان میں ہندوستانیوں کو یہ خبر سنائی کہ سارے ہندوستان میں مارشل لا جاری کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ۱۱ جون کو ایسٹ انڈیز کے ایک ریڈیو نے آجکل جاپان کے اشارے پر چلتا ہے ہندوستان کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ انگریزوں نے ۸ جون کو ایک خاص فرمان صادر کرکے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں مارشل لا جاری کر دیا ہے اور ایک سو سے زیادہ غیر فوجی آدمیوں کو انگریز حکام روزانہ ہلاک کر رہے ہیں۔ اب ہندوستانی بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ کون سے غیر فوجی آدمی ہیں جن کو انگریز قتل کر رہے ہیں۔ ۲۴ جون کو جرمنوں نے ہندوستانی میں یہ بتایا کہ سندھ میں مارشل لا کا اعلان کرکے جنرل ویول نے سندھیوں پر ایک ایسی حکومت قائم کر دی ہے جو من مانی کارروائی کرتی ہے اور گورہ فوج کو جتھے ہندوستانیوں کے اندھا دھند قتل کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ روما ریڈیو نے فارسی زبان میں یہ بتایا کہ سارے ہندوستان میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی ہے اور جرمن کا آزاد ہند ریڈیو یہ فرماتا ہے کہ ہندوستانیوں کے ہتھیار بند دستے پولیس پر زور کے حملے کر رہے ہیں۔ اب آپ سمجھئے یہ سندھ کے ان ضلعوں کا ذکر ہے جہاں حُر آباد ہیں اور جہاں سندھ کی حکومت کے مشورے سے مارشل لا جاری کیا گیا ہے۔ مگر کن حالات میں یہ ہم آپ ان محوری ڈھول پیٹنے والوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

اب ایک اور جھوٹ سنئے۔ جاپانیوں نے ٹوکیو میں ایک آزاد ہندوستان لیگ قائم کر رکھی ہے اس کا ایک پیغام ٹوکیو ریڈیو نے ہندی میں نشر کیا جس میں ہندوستانیوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ مشرق میں خوشحالی کا نیا نظام قائم کرنے کے لئے جاپان کی امداد کریں۔ اس کے ساتھ ہی کہا کہ ہندوستان میں کچھ نوجوان محض اس لئے فوج میں شامل ہو گئے ہیں کہ وہاں جبری بھرتی جاری ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ ہندوستان کے کس حصے میں جبری بھرتی کی جا رہی ہے کیا یہ سفید جھوٹ نہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی سے فوج میں بھرتی ہوتا ہے اور کوئی کسی کو زبردستی بھرتی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ باقی رہا جاپانیوں کی دوستی اور امداد کا مسئلہ تو ابھی حال ہی میں بابو راجندر پرشاد سابق صدر کانگریس یہ کہہ چکے ہیں کہ خدا ہمیں ایسے دوستوں سے بچائے۔ جاپانیوں کی دوستی کا نقشہ دیکھنا ہو تو کوریا منچوریا۔ فارموسا اور چین کا حشر دیکھ لو۔ پھر آل انڈیا پاسبان کانفرنس کے صدر مسٹر انند لال نے کہا کہ اب اس جنگ میں انگریزوں کو امداد دینے کا تو سوال ہی نہیں رہا۔ اب تو ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ جاپانی چیرہ دستی کے مقابلے میں مادر وطن کی آبرو کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور یہ صرف مسٹر یاگنک ہی کا خیال نہیں بلکہ عام پڑھے لکھے اور محب وطن ہندوستانی کا بھی عقیدہ ہے۔

ایک اور عجیب و غریب بات سنئے ۲۴ جون کو برلین ریڈیو نے کسی اخبار کا یہ فقرہ پڑھ کر سنایا کہ ہندوستان کے ماہرین اقتصادیات ہندوستان میں امریکہ کے سرمایہ لگانے کو نہایت شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ برطانیہ نے امریکہ کو بے اندازہ اقتصادی رعایتیں دے دی ہیں گویا دوسرے لفظوں میں ہندوستان امریکہ کے پاس رہن کر دیا گیا ہے۔ بھلا رہن اور گرد کا کیا سوال ہے۔ جس طرح دنیا کے دوسرے ملکوں نے امریکہ کے ساتھ ادھار پر مال لینے کا معاہدہ کر رکھا ہے اسی طرح ہندوستان بھی کر رہا ہے۔ چنانچہ سر شنکھم چیٹی نے جو ہندوستان کے اس وفد کے سردار تھے جو امریکہ میں خریداری کے مسائل حل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا صاف کہہ دیا ہے کہ ہندوستان کو بھی بالکل وہی رعایتیں دی گئی ہیں جو ان دوسرے ملکوں کو حاصل ہیں جو ادھار پٹے پر امریکہ سے ضروری مال حاصل کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جرمن کو امریکہ کی یہ امداد ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لئے ہندوستانیوں کو بھڑکانا چاہتا ہے۔

ہندوستانیوں کے علاوہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کا شغل بھی محوریوں کا محبوب شغل ہے۔ ۵ جون کو روما ریڈیو نے عربی میں کہا کہ مکرم عبید پاشا کا استعفا اس بات کی دلیل ہے کہ مصر میں برطانی پالیسی کے رستے میں بڑی بڑی کاوشیں پیدا ہو رہی ہیں حالانکہ مکرم عبید پاشا نے کسی اختلاف کی بنا پر استعفا نہیں دیا۔ وہ بیس سال سے نحاس پاشا کے وفادار رفیق چلے آتے ہیں اور استعفے کے وقت بھی انہوں نے کہا کہ استعفے سے نحاس پاشا کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور میں حزب الوفد کی پالیسی کا بھی بدستور حامی رہوں گا۔ یہ تو مصر کا قصہ تھا اب حجاز کی سنیئے ۸ جون کو روما ریڈیو نے کہا کہ مملکت عربیہ سعودیہ اب آزاد نہیں رہی۔ سلطان ابن سعود نے اپنے لڑکے کو محض اس لئے قاہرہ بھیجا تھا کہ جنرل آکنلک کی خدمت میں وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ سلطان ابن سعود کے خلاف محوری اس قسم کی بیہودہ افواہیں کیوں اڑاتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو سلطان نے غیر جانبدار کی حیثیت سے محوریوں کو اپنے ملک میں رہنے دیا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ جرمن اور اٹلی کی سفارتیں ملک میں شرارت پھیلا رہی ہیں تو اس نے ایک تو اطالوی سفارت کو حکم دیا کہ فی الفور حجاز سے نکل جائے دوسرے جرمن کا نمائندہ ڈاکٹر گوبلز سلطان سے ملاقات کرنے گیا تو سلطان نے اس کو باریابی کی اجازت نہ دی۔ بس وہ دن اور یہ دن جرمن اور اٹلی دونوں سلطان سے جلے ہوئے ہیں۔

۱۲ جون کو جرمن کے آزاد ہند ریڈیو نے کہا کہ جاپان اسلامی ملکوں کو آزاد کرانے کا خواہش مند ہے۔ لیکن مسلمان اب اتنے احمق نہیں رہے کہ ایسی اڑان گھائیوں سے دھوکا کھا جائیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ جاوا کی آبادی میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ یکم جون کو جاپانیوں نے ریڈیو پر کہا کہ جاوا کے تمام زمینداروں کی اراضی پر جاپانی حکومت قبضہ کر لے گی۔ یہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور یہ جاپان کی وہ ہمدردی ہے جس کا ثبوت وہ مسلمانوں کو دینا چاہتا ہے۔

جس وقت ٹوکیو سے جاپانی حکومت کا نمائندہ ہندوستان سے ہمدردی کا دم بھر رہا تھا اور یہ وعدہ کر رہا تھا کہ اگر ہندوستان سے انگریزوں کو نکال دیا گیا تو جاپان ہندوستان کو اپنا دوست سمجھے گا اس کے چند منٹ بعد ہی ہندوستان کے دو بندرگاہوں ویزاگاپٹم اور کوکناڈا پر جاپانی ہوائی جہازوں نے بم برسائے جس سے کئی ہندوستانی مرد، عورتیں اور بچے ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اگر جاپان کو مغربی اقوام سے دشمنی ہوتی اور وہ ایشیا کو سفید قوموں سے آزاد کرانا چاہتا ہے تو وہ اپنے پڑوسی چین پر کیوں پانچ سال سے مظالم ڈھا رہا ہے وہاں نہ تو انگریزوں کی حکومت ہے اور نہ امریکہ کی۔ پھر اس کے علاوہ جاپان کا ساز باز ہٹلر اور مسولینی سے ہے۔ ان تینوں ممالک کے فاشیت پسندوں نے اینٹی کمنٹرن پیکٹ کرکے سرمایہ دارانہ مفاد کا تحفظ کیا ہے ظاہر ہے کہ اٹلی اور جرمنی مغربی ممالک میں شامل ہیں، پھر ان سے جاپان کا معاہدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

دراصل دنیا کے تمام فاشیت پسند خواہ وہ ایشیا میں یا یورپ میں، تمام دنیا کو غلام بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کے لوٹ مار کرنے کا دائرہ وسیع ہو۔

اسی طرح برلن کا ریڈیو بڑے زور شور سے ہندوستان میں انگریزوں کے مظالم گناتا ہے ہمیں یہاں ان کی تردید کرنے کی ضرورت نہیں ان کی جو کچھ حقیقت ہے وہ نازیوں سے زیادہ ہم ہندوستانی خود سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمیں ڈاکٹر گوئبلز اور ان کے ساتھیوں کی دیدہ دلیری پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف تو انگریزوں کے ہندوستان میں مظالم گنا کر خود کو انسانیت کا ہمدرد ثابت کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف انہوں نے ہزاروں اور لاکھوں بے گناہوں کو قید خانوں میں بند کر رکھا ہے اور ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھا رہے ہیں۔ وہ مفتوحہ علاقوں کے عوام سے زبردستی محنت کراتے ہیں اور وہاں کے انقلابیوں کو بغیر کسی تفتیش کے گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں مقبوضہ روس میں جو انہوں نے مظالم ڈھائے وہ تاریخ کا نہایت تاریک باب ہیں۔

ہم ہندوستانی محوری طاقتوں کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں چاہے وہ کسی قسم کا پروپگنڈہ کریں وہ ہماری ہمدردیاں حاصل نہیں کر سکتے۔

اِعترَاف

جناب خورشید درّانی بی۔ اے

"ایک بات پوچھوں سچ سچ بتائیے گا"

"اپنی دانست میں تو میں نے آج تک آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔ اس وقت بھی سچ نہ بولنے کی کوئی وجہ مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ فرمائیے کیا بات پوچھنا چاہتی ہیں آپ۔؟"

"پوچھوں تو............ آپ بتا بھی دیں گے؟ اچھا تو یہ بتائیے.... کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟"

"ہاں!" میں نے انتہائی سادگی سے جواب دیا۔

"اچھا!" اُن کے حسین چہرے پر سینکڑوں خوشیاں نثار ہو رہی تھیں اُن کی نرگسی و مخمور آنکھوں میں صدہا شوخیاں جلوہ گر تھیں اور ان کے لب ہائے لعلیں پر تبسم ناچ رہا تھا۔

ان کی چشم ہائے میگوں ایک بار جھکیں مگر جب دوبارہ بلند ہوئیں تو ان میں تمناؤں اور آرزوؤں کا ایک بحرِ بیکراں موجیں مار رہا تھا، اُن کے لب ہائے خنداں ایک بار پھر [illegible]

"آپ مجھے اپنا بنا لیجئے۔"

"یعنی!" میں نے اپنے جذباتِ محبت کو اپنے قلب کی عمیق ترین گہرائیوں میں محفوظ کرتے ہوئے حد سے زیادہ خشک لہجے میں پوچھا۔

"یعنی؟".......... یعنی یہ کہ آپ مجھ سے شادی کر لیجئے۔" انہوں نے فرشتہ کی سی معصومیت کے ساتھ کہا۔ وہ ابھی تک اپنے جذبۂ شوق کی وجہ سے میرے خشک و سادہ رویے سے متاثر نہ ہوئی تھیں۔

ان کے اس سوال نے میرے قلب و دماغ کو عجیب کش مکش میں مبتلا کر دیا۔ ایک کہتا تھا اس پیکرِ حسن و محبت کو جو تیری تمناؤں اور حسرتوں کا مرکز اور تیری مسرتوں اور خوشیوں کا سرچشمہ ہے اپنے سینہ سے لگا کر اپنے بیقرار اور مضطر قلب کو ایک سکونِ دائمی اور راحتِ ابدی عطا کر۔ دوسرا سرزنش کرتا تھا "کیا بیوقوف بنا ہے، حقائق کو کس طرح نظرانداز کر سکتا ہے اس کے حصول کے لئے صرف سرمایۂ محبت ہی کی ضرورت نہیں کیا تو امارت و عزت کی وسیع خلیج کو پاٹ سکیگا کیا تو ان تمام امیدوں کو پورا کر سکتا ہے جو اس کے والدین نے اس کے ہونے والے شوہر سے وابستہ کر رکھی ہیں؟ تو پھر کیا تو احسان فراموش بنے گا؟ تیرے لئے یہ کیسے زیبا ہے کہ تو اثبات میں جواب دے [illegible]۔ یہ معصوم لڑکی تجھ سے محبت کرتی ہے، ایک لافانی محبت...... الوہی محبت سے بھی زیادہ پاکیزہ، مگر یہ نشیب و فرازِ عالم سے ناواقف ہے، اور تو حقیقت سے آگاہ، تیری شرافت کا تقاضا ہے کہ تو انکار کر دے۔

عقل کی جیت ہوئی۔

"نہیں یہ ممکن نہیں آپ اس خیال کو اپنے دل سے نکال دیں۔" میں نے کمال سکون اور متانت سے جواب دیا ایک لمحہ کے لئے میں خود حیران ہو گیا کہ میں نے اس حسن مجسم اس تمنائے سپردگی کو کیسے ٹھکرا دیا۔

وہ سرورِ محبت میں اس درجہ سرشار تھیں کہ میری خشک "نہیں" اسے بھی کچھ زیادہ اثرپذیر نہ ہوئیں۔

"کیوں"؟ انہوں نے کسی قدر سنجیدگی سے کام لیتے ہوئے پوچھا، مگر ان کی آنکھوں کی چمک، اُن کے ہونٹوں کا تبسم اس بات کا شاہد تھا کہ انہیں اس کا یقین ہے کہ مجھے ان سے محبت ہے ایسی محبت جو میری کل کائنات ہے ایسا عشق جس کو کبھی فنا نہیں ایسا جذب جس کی قوتِ کشش میں شبہ کی گنجائش نہیں انہیں علم تھا کہ مجھے اُن سے والہانہ محبت ہے، وہ میرے فردوسِ تخیل کی حور میرے دنیائے تصور کی ملکہ، میرے رنگین لمحات کی رانی اور میرے خوابوں کی شہزادی ہیں۔

کیا اُن کو مجھ سے محبت تھی؟ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو میری ذات سے اوروں کی نسبت زیادہ لگاؤ تھا بلکہ وہ اکثر دوسروں کے مقابلہ میں اور اپنے رشتہ داروں کے سامنے میری ذات سے اور بھی زیادہ لاپروائی اور بے اعتنائی برتتی تھیں انہوں نے آج تک مجھ سے اظہارِ محبت نہ کیا تھا یہ بات اور تھی کہ

انہیں میرے دکھ درد اور میری تکلیف کا بہت خیال تھا اگر کبھی میں بیمار ہو جاتا تو میری تیمارداری میں وہ دوسروں سے پیچھے نہ رہتیں اور اکثر میرا سر دبانے کے لئے میرے سرہانے بیٹھ جاتیں لیکن یہ کوئی ایسی باتیں نہ تھیں جن کو میں ان کے جذبۂ محبت پر محمول کرتا۔ بارہا وہ خود اس اظہار ہمدردی کی توجیہہ کر چکی تھیں۔

"مجھ سے کسی کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی میرا دل چاہتا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کے رنج و غم کو دور کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے تو میں اپنی ساری زندگی دوسروں کی خدمت میں گزار دوں میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ کسی کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر اس کا شریک غم ہو جانے سے مجھے کتنی دلی مسرت ہوتی ہے۔ میرے قلب کو اس سے ایک گونہ اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے کیا میں کسی کے کام آ سکی ہوں۔"

اور میں دل سے اُن کے جذبات کی قدر کرتا تھا میری نظر میں اُن کا درجہ حور جنت سے بڑھا ہوا تھا وہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے عام لڑکیوں سے بالکل جدا تھیں۔ باوجود امارت کے ان کا حلم، ان کی انکساری، دوسروں کے جذبات و احساسات کا خیال، ہر شخص سے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو ان کا روادارانہ سلوک، اُن کے اعلیٰ اخلاق، خندہ پیشانی یہ ایسی صفات تھیں جو ان کے اندر قدرت نے بدرجہ اتم ودیعت کی تھیں اور ان صفات نے اُن کی ذات کو عام انسانوں سے بہت بلند و بالا بنا دیا تھا۔

اب آپ ہی بتائیے ایسی فرشتہ خصلت لڑکی کے ساتھ میں کیسے خود غرضی کر [illegible] اسی لئے ان کے سوال نے مجھے عجیب کشمکش و پیچ میں ڈال دیا [illegible] ایک طرف محبت اپنے کیف الفانی کا واسطہ دے رہی تھی کہ خدا [illegible] میری لاج رکھ اور بارگاہ حسن میں سربسجود ہو کر عرض کر دے

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

دوسری طرف ضمیر ملامت کرتا تھا "کیا شرافت کا تقاضا یہ ہی ہے کہ تو احسان مندی کے جملہ جذبات کو فنا کر کے اس معصوم لڑکی سے نہ صرف اظہار تعشق کرے بلکہ اسے اپنے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے اس کے والدین کی بلند تمناؤں کا بھی قلع قمع کر دے" شرافت ہی ایسی چٹان ہے جس سے محبت کا بحر زخار آ آ کر ٹکریں لیتا ہے اور امواج بیقرار سر پٹک پٹک کر فنا ہو جاتی ہیں مگر اسے جنبش تک نہیں ہوتی وہ اسی طرح جامد و ساکت کھڑی اپنے سینہ پاک استقامت و استقرار کا ثبوت دیتی رہتی ہے۔ یہی کشمکش یہاں تھی۔ ہر بار محبت کا طوفان بداماں سمندر ہوش و آگہی کو بے حقیقت خس و خاشاک کی طرح بہائے جانے کی کوشش کرتا اور ہر بار احساس غربت ایک مضبوط بند کی طرح حائل ہو کر اور عقل کو سہارا دے کر ضمیر کی آواز کو جذبات محبت پر حاوی کر دیتا۔

عقل کی پھر فتح ہوئی۔

میں نے جواب دیا "میں حیران ہوں کہ آپ کی خواہش کو پورا کرنے کا کس طرح اقرار کروں ...."

وہ بیچ ہی میں بول اٹھیں، اُن کے چہرے سے بیقراری و اضطراب کے احساسات عیاں تھے۔

"کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں؟ کیا میں اس قابل نہیں کہ آپ کی شریک حیات بن سکوں۔ ٹھیک ہے میں خوبصورت نہیں آپ حسین بیوی چاہتے ہیں ..... ہر مرد حسین لڑکی سے شادی کا خواہشمند ہوتا ہے اور پھر مجھ میں اور بھی ایسی کوئی خوبی نہیں جو آپ کو میری طرف متوجہ کر سکے۔ مجھے ٹھکرا دینے میں آپ کا کچھ بھی قصور نہیں مجھے آپ سے یہ درخواست ہی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ..... مگر میں سمجھتی تھی آپ کو مجھ سے محبت ہے، آپ کو میرے جذبات محبت کا خیال ہے لیکن افسوس میں ایک دلفریب غلط فہمی میں مبتلا تھی، میں نے آپ کی ذات سے غلط توقعات قائم رکھیں ..... افسوس میں نے اپنے آپ کو آپ کی نظر میں کتنا ذلیل کر دیا، آپ میرے بارے میں کیا کیا خیال کرتے ہوں گے مجھے بے غیرت، بے حیا، بے شرم اور خدا معلوم کیا کیا خیال کرتے ہوں گے۔"

اور یہ کہتے کہتے وہ سسکیاں بھرنے لگیں اُن کے گلاب سے زیادہ شاداب تازہ و رنگین رخساروں پر موتیوں سے زیادہ چمکدار اور شبنم کے قطروں سے زیادہ پاک آنسو بہنے لگے کسی کے سامنے ایک پیکر حسن و شرافت جس کو وہ اپنی جان و دل سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہو اشک فشاں ہو تو آپ خود ہی فرمائیے اس کی بیقراری و بے چینی کی کیا کیفیت ہو گی۔ کون سنگدل ہے جو حسن معصوم کا جادو دیکھے اور اس کا دل پانی پانی نہ ہو جائے کون تاب لا سکتا ہے اس منظر کی کہ ایک دوشیزہ آپ کے سامنے بیٹھی اشک شوئی کر رہی ہو اور آپ مضطرب ہوں۔ میرے ہوش و حواس

بھی گم ہوگئے، دنیا و مافیہا سے بےخبر عقل کی سرزنش ضمیر کی ملامت سب کو پس پشت ڈال کر میں نے ان کے برف سے ٹھنڈے اور نازک ہاتھوں کو ایک حالت جنون میں اپنے کانپتے ہوئے لبوں سے لگا لیا

اس رات مجھے نیند نہ آئی میں سوچتا رہا کہ میں نے یہ کیا کیا؟"

صبح اٹھا تو سر بھاری بھاری تھا، آنکھیں سرخ ہوکر سوجھ گئی تھیں، رات بھر ایک قلب سوز کشمکش میں مبتلا رہا، روح پر معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی بوجھ طاری ہوگیا ہے جس کے نیچے روح حالت بے دست و پائی میں تڑپ رہی ہے اور قید حیات سے چھٹکارا پانے کے لئے بیقرار ہے۔ میں نے ایک بار پھر مصمم ارادہ کرلیا کہ کچھ بھی ہو ان کے سامنے ایک بار حقیقت سے نقاب اٹھا کر چھوڑ دوں گا، ان کی خوشامد کروں گا منت سماجت کروں گا، اُن کو نشیب و فراز سے آگاہ کروں گا انہیں اپنی محبت کا واسطہ دوں گا غرضیکہ کسی نہ کسی طرح سمجھا ہی لوں گا۔ مجھے یقین تھا کہ میری روح کی بیقراری جو گذشتہ رات کے واقعہ سے میری روح پر مسلط ہو گئی تھی اسی طرح مبدل بہ سکون ہوسکتی ہے جب میں انہیں اپنے خیال کو ترک کرنے پر آمادہ کرلوں۔

تمام دن غیر حاضر رہنے کے بعد شام کے وقت لوٹا اور گھر میں داخل ہونے والا ہی تھا کہ پیچھے سے اُن کی شیریں آواز نے مجھے ٹھیر جانے پر مجبور کر دیا اور میں جس جگہ کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"آپ تشریف لے آئے، آج تمام دن کہاں غائب رہے"

انہوں نے مسکرا کر پوچھا

وہ ہلکے سبز رنگ کی ساڑھی زیب بدن کئے تھیں جس نے ان کے ابیض مگر چمکدار رنگ کے ساتھ مل کر ان کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

"تجارتی آدمیوں کو گھر پر رہنے کی فرصت ذرا کم ملتی ہے ایک نئی ایجنسی لی ہے اسی کے سلسلہ میں آج سارا دن صرف ہوگیا"

"اب تو آپ ماشاءاللہ بڑے آدمی ہوتے جارہے ہیں کہئے تجارت کیسی چل رہی ہے"

"جنگ کی وجہ سے باہر سے مال ہی نہیں آرہا لیکن آج جو ایجنسی لی ہے اس سے بڑا منافع ہونے کی امید ہے"

"خیر مجھے تجارتی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں آیئے باغ کی سیر کریں"

میں نے بھی سوچا آج ان سے سب کچھ کہہ دوں گا۔

کچھ دور تک ہم خاموش چلتے رہے آخر ان سے نہ رہا گیا۔

"آج آپ اس قدر گم سم کیوں ہیں۔ کیا آپ مجھ سے بولنا نہیں چاہتے"

"بولنا نہیں چاہتا؟ آپ سے؟ کیا آپ مجھے اس قدر انسانیت سے عاری سمجھتی ہیں کہ میں اپنے محسنوں سے بے وجہ اظہار خفگی کروں اصل میں آج میں تھک بہت گیا ہوں"

"اوہو! مجھے اس کا خیال ہی نہ رہا کہ آج آپ تمام دن پھرتے رہے ہیں۔ آیئے تو اس بنچ پر بیٹھ کر باتیں کریں"

بنچ ایک پھولوں کی کیاری کے پاس رکھی تھی۔ کیاری میں سلیقے اور خوبصورتی سے لگے ہوئے رنگ برنگے حسین پھولوں کے تختے باغبان کے حسن ذوق کا ثبوت دے رہے تھے۔ اس کیاری کی دیکھ بھال وہ خود کرتی تھیں بنچ کے [illegible] برسات کی رانی کا ایک گھنا پودا لگا ہوا تھا جس کے پھولوں [illegible] بھینی بھینی خوشبو فضا کو معطر بنائے ہوئے تھی۔

بنچ پر بیٹھ کر میں پھر اپنے خیالات میں گم ہوگیا۔

"آج آپ اس قدر چپ چپ کیوں ہیں شاید اس رات کے واقعہ سے آپ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں؟ کیا کسی سے محبت کرنا گناہ ہے، کیا سچ مچ میں آپ کے لائق نہیں، لیکن آپ تو مجھ کو محبت کرتے ہیں پھر آپ مجھے اپنا کیوں نہیں بنا لیتے، آپ جانتے ہیں مجھے آپ کی طبیعت میں بڑا دخل رہے میں آپ کو کبھی ناراض نہ کروں گی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میرے ساتھ آپ کی زندگی خوشگوار نہ گزرے گی"

انہوں نے ایک ہی زبان میں اتنی باتیں کہہ ڈالیں کہ کس سوال کا جواب دوں اور کس بات کی صداقت کا پہلے اعتراف کروں۔

"آپ یقین کیجئے کہ میرے دل میں آپ سے ناراضگی و خفگی کا خیال تک نہیں آسکتا گلہ یہ کہ میں ایک ایسی حرکت ناشائستہ کا مرتکب ہوں جس کے خیال سے بھی میری روح کانپ جاتی ہے مجھے آپ سے محبت ہے اس کا مجھے اعتراف تھا ہے اور رہیگا۔ میری کل کائنات آپ کی ہی ذات ہے۔ آپ کے رنگین تصورات سے میری تنہائیاں اور خلوتیں معمورہ تجلیات بنی رہتی ہیں۔ میری خواب کی دنیا آپ ہی کی بدولت آباد ہے میرے دل و دماغ پر ہمیشہ آپ ہی کا خیال مستولی رہتا ہے غرضیکہ میرے لئے تو آپ ہی سب کچھ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود.........

"آپ مجھے ٹھکرا رہے ہیں......"

"نہیں دنیا میں میری واحد تمنا یہی تھی کہ میں آپ کو حاصل کرسکوں اور اگر میں سمجھتا کہ میں اس لائق ہوں تو آپ کے حصول کے لئے میں زمین و آسمان ایک کردیتا مگر افسوس حالات اس کے بالکل برعکس ہیں، آپ کے اور آپ کے والدین کے اتنے احسانات میری گردن پر ہیں کہ میں سر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا اور اس کا علم آپ کو بھی ہوگا کہ آپ کے والدین کے خیالات کس قدر بلند اور ان کی امیدیں کس قدر وسیع ہیں، اُن کی تمام آرزوئیں اور تمنائیں صرف آپ سے وابستہ ہیں، آپ خود ہی خیال کیجئے کہ میں کس طرح ان کی خواہشات کے درمیان حائل ہوسکتا ہوں۔ میری کم مائگی مجھے کس طرح اس جرأت پر آمادہ کرسکتی ہے کہ میں آپ کو پانے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہوجاؤں۔ آپ عقلمند ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، سب حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ عملی زندگی سے ہر نشیب و فراز کو بخوبی دیکھ سکتی ہیں.........

"مگر میں داغ کا قائل ہوں ؎

جو رہِ عشق میں قدم رکھے وہ نشیب و فراز کیا جانے

آپ کے بلند اخلاق، آپ کی اعلیٰ ظرفی، آپ کی تعلیم، آپ کی شرافت و انسانیت کیا سب بیکار و حقیر چیزیں ہیں"

"آپ نے اپنے قلب میں میرے متعلق بہت بلند خیالات کو جگہ دے رکھی ہے میں ہرگز اس ستائش کا سزاوار نہیں میری ذات میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجھے دوسروں سے ممتاز کرسکے بلکہ میرے اندر بہت سی ایسی کمزوریاں ہیں جن سے میرا درجہ اوروں کے مقابل بہت پست ہوجاتا ہے آپ چاہے اس وقت ان کا صحیح اندازہ نہ کرسکیں مگر جب آپ پر وہ حقیقتیں عیاں ہوں گی تو آپ کو بے حد رنج ہوگا اور یہ میں ہرگز نہیں چاہتا آج آپ کو مجھ سے محبت ہے کل جب آپ کسی شریف و خوبصورت دولتمند و صاحب عزت نوجوان سے ہوجائے گی تو آپ کے لئے یہ زمانہ ایک خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھے گا اور ان صحبتوں کی صرف ایک دھندلی سی یاد آپ کے ذہن میں باقی رہ جائیگی۔

(باقی آئندہ)

سبدِ گل

میں نے تجھے دیکھا ہے

(چودھری لئیق احمد خاں صاحب نازش سہیدی)

ساون کی پھواروں میں
دلچسپ نظاروں میں
رنگین بہاروں میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

پھولوں کسی انجمن میں
تخیل کے دامن میں
گائے ہوئے گلشن میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

اے حسنِ جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے
اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے

سرسبز اناروں میں
برکھا کی بہاروں میں
گلپوش نظاروں میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

کھوئی ہوئی محفل میں
بہکے ہوئے ہر دل میں
بھولی ہوئی منزل میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے
اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے

بہتے ہوئے تاروں پر
ندی میں چکاروں پر
چپ چاپ کناروں پر
میں نے تجھے دیکھا ہے

ہر دشت میں صحرا میں
اجڑی ہوئی دنیا میں
پامال تمنا میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

اے حسنِ جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے
اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے

تاریک فضاؤں میں
کوئل کی صداؤں میں
گھنگھور گھٹاؤں میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

اشکوں کی روانی میں
کمبخت جوانی میں
پرسوز کہانی میں
میں نے تجھے دیکھا ہے

اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے
اے حسن جہاں آرا
میں نے تجھے دیکھا ہے

جنگی روس کے چند دلچسپ مناظر

مرزا اشفاق بیگ بی۔ اے ایل ایل بی

ذیل کے مضمون میں موجودہ روس کی زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے مضمون کے پہلے حصہ میں ایک پمفلٹ کے چند اہم اقتباسات ہیں جو حال ہی میں روس کے ہوائی جہازوں کے ذریعہ جرمن سپاہیوں تک پہنچائے گئے دوسرے حصہ میں بتایا گیا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق عوام کس طرح اپنے آپکو ڈھال رہے ہیں۔ آخری حصہ میں لال فوج کی جرات اور بہادری کے ایک کارنامہ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ مقبوضہ علاقوں کے عوام سے کس طرح رابطہ قائم رکھتی ہے۔

جرمن سپاہیوں کو لال فوج کا خطاب

"جرمن سپاہی۔ اپنا کچھ وقت ہماری باتیں سننے کے لئے دو۔ اگر اب بھی تم ہٹلر کے ہاتھ میں کھلونا بنے رہے تو سمجھ لو کہ موت تمھارے سر پر ہے ہٹلر کی فوج کا ختم ہونا ایک یقینی امر ہے کیا تمھیں اپنے فیوہرر (ہٹلر) کے احکامات یاد ہیں جو اس نے ۲ اکتوبر کو صادر کئے تھے اس وقت ہٹلر نے کہا تھا۔

"میرے سپاہیو! ان گذشتہ تین ساڑھے تین ماہ میں حالات اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں کہ موسم سرما آنے سے پہلے ہی ہم اپنے دشمن کو ختم کرکے آخری اور مکمل نتائج حاصل کر لیں گے"۔

بالکل یہی الفاظ اس وقت ہٹلر نے استعمال کئے تھے لیکن یاد رکھو کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا تمہیں دھوکا دے رہا ہے اس نے موجودہ منحوس ترین جنگ میں گھسیٹا ہے۔ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرکے اس نے ایک آخری حملہ کے بعد دوسرے "آخری حملہ" پر مجبور کیا۔ ہٹلر نے جرمن قوم کے بچوں کو ایک عظیم الشان مقبرہ میں دفن کر دیا ہے اب بھی ہٹلر کہ رہا ہے کہ تمھاری پسپائی واقعی پسپائی نہیں ہے تمھاری پے در پے شکستیں درحقیقت شکستیں نہیں ہیں بلکہ اصل میں یہ جنگی چالیں ہیں جن کے بارے میں جرمن ہائی کمان نے پہلے سے پیشینگوئی کر رکھی تھی۔ لیکن تمھیں خود تمھارے تجربہ اور اپنے ساتھیوں کی زبانی یہ معلوم ہے کہ لال فوج، ایک جرمنی ڈویژن کے بعد دوسرے کو برابر ختم کرتی جا رہی ہے۔ تم یہ جانتے ہو کہ تمھارے ساتھی کثیر تعداد میں مارے جا رہے ہیں اور برف میں جم رہے ہیں۔ تمھیں اس بات کا علم ہے کہ جرمنی میں ایسا ایک خاندان بھی نہیں ہے جو اپنے مرے ہوئے آدمی پر ماتم نہ کر رہا ہو۔

ہٹلر کا ساتھ دیکر تم کہیں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ میدان جنگ سے دور آبادیوں میں بھی گاڑیاں پٹڑیوں سے اتار دی جاتی ہیں اور پل اڑا دیئے جاتے ہیں اب تم محاذ سے لوٹتے ہو اور کہیں آرام کرنا چاہتے ہو تو ہمارے چھاپہ مار تمھارے آرام میں خلل انداز ہوتے ہیں وہ ہر جگہ ہیں تمھیں نہیں ہیں یہ لوگ ہمارے عوام کا تم سے بدلہ لے رہے ہیں انھوں نے ان تمام مظالم کے بدلہ لینے کا عہد کیا ہے جو ہٹلر کے اشارہ سے ہمارے عوام پر کئے گئے ہیں اگر تم لال فوج کی گولی سے بچ بھی گئے تو کہرہ تمھیں تباہ کر دیگا یا پھر کوئی زہریلا جانور تمھاری زندگی کے درپے ہوگا۔ اگر تم کانوں کی طرف ہٹے تو دیسی بم تمھارے پرخچے اڑا دے گا۔ ہر جگہ موت تمھاری منتظر ہی ہے۔ کیونکہ ہٹلر نے تمام دنیا کے سامنے جرمن قوم کے نام پر بے حیائی کا دھبہ لگا دیا ہے۔ آج تمام دنیا جرمن قوم کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس نے عوام کو پرسکون زندگی سے علیحدہ کرکے جنگ کے شعلوں میں لپیٹ دیا ہے

اے جرمن سپاہی تمھیں اپنی مدد آپ کرنی چاہیئے تمھیں اپنی نوجوان زندگی بچانا چاہیئے۔ تمھاری مستقبل کی زندگی اس وقت بھی تمھارے سامنے ہے۔ ہماری بات پر دھیان دو کیونکہ ہم تمھیں نیک مشورہ دے رہے ہیں۔ سب سے پہلے تمھیں اپنے افسران سے لڑائی کے دوران میں بالکل علیحدہ رہنا چاہیئے۔ اپنے دستوں کے پیچھے رہا کرو۔ سڑک کے ایک طرف چھپ جاؤ۔ اپنے ہتھیار پھینک دو اور عوام کو ٹکٹ دکھاؤ جو اس لال فوج کے پرچے کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ عوام تمھیں گسٹاپو اور افسران سے چھپالیں گے۔ وہ تمھاری ہر طرح امداد کریں گے۔ ساتھی قابل اعتماد ہیں ان پر بھروسہ کرو اس بات کا خیال رکھو کہ جب لال فوج حملہ کرے تو تمھاری خندق سے کوئی گولی نہ چلائی جائے۔ اپنے آپ کو قیدیوں کی طرح اکٹھے لال فوج کے حوالے کر دو۔ یہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کو تم حفاظت کے ساتھ اپنے وطن پہنچ سکتے ہو۔

تم خواہ کسی جگہ ہو۔ــــ سراغ رسانی کے کام پر یا خدمت کرتے ہوئے کوچ کے موقعہ پر یا آرام کرتے وقت تمھیں بھاگنے کا ہر وقت موقع ہے۔ ایک ہوشیار نوجوان ہر وقت اپنی مدد آپ کرسکتا ہے۔ اگر تم موٹر والی فوج کے ساتھ ہو تو انجنوں کو بیکار کردو۔ پیٹرول کے ٹینک میں تھوڑی سی شکر ڈال دو تمھارا کام بن جائیگا۔ اگر ٹینک کام کرنے کے قابل ہو یا موٹر کا انجن چلنا بند ہو جائے تو اس معاملہ میں تمھارا افسر کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر پیٹرول کے ٹینک میں شکر ڈال دی گئی ہے تو ہوائی جہاز بھی کام نہیں کرسکتے۔ لال فوج کے اس پرچے کو چھپا کر پڑھو اور اسے اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھنے کے لئے دو۔ اگر تم نے اپنی مرضی سے سوویٹ فوجوں کے حوالہ کر دیا تو تمھارے ساتھ بھائی کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ تمھاری زندگی بچ جائے گی اور تم اس منحوس جنگ کے ختم ہونے کے بعد حفاظت کے ساتھ اپنے وطن پہنچ جاؤ گے۔ اے جرمن سپاہیو! تمھیں ہمارا یہی مشورہ ہے اس پر عمل کرو۔ دیر مطلق نہ کرو"

لیمن بنانیوالے اب آگ کی بوتلیں بناتے ہیں

سوویٹ روس کے جنوبی گرم علاقہ میں ایک شخص کوزلوف نامی لیمن بنانے میں بہت مشہور تھا۔ کوہ قاف کی سوویٹ جمہوریت انجازیہ میں گرمی کے موسم میں یہ لیمن بہت مقبول تھا کوزلوف کی شہرت اتنی بڑھی کہ اسے ماسکو کی ایک فیکٹری کا ڈائرکٹر بنا دیا گیا جہاں مختلف قسم کے شربت وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ روسی جرمن لڑائی شروع ہونے کے بعد بھی کارخانہ میں حسب معمول کام ہوتا رہا۔ گرمی کے موسم میں عوام اس کارخانہ کے بنے ہوئے شربت اور لیمن وغیرہ پی کر بہت لطف اٹھاتے تھے اسی موسم میں ایک روز عوام کے کمیسار (وزیر) نے کوزلوف کو بلایا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ آئندہ سے اس کے کارخانہ میں لیمن وغیرہ کی بجائے دوسری مختلف چیزیں تیار ہونگیں۔ یہ نیا کام کوزلوف کے لئے مشکل ضرور تھا مگر اس نے کمیسار کی ہدایات کو پوری طرح عملی جامہ پہنایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ماسکو کا ہر ایک شہری ایک دوسرے کو گلے لگا کر اپنے شہر کی مدافعت کرنے کے لیئے جان تک قربان کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ ادھیڑ عمر کے لوگوں نے ہتھیار سنبھال لئے تھے۔ نوجوان بالشویک فوج کے نئے دستوں میں بھرتی ہو رہے تھے شربت کا کارخانہ بھی لیمن بنانے کے بجائے آگ کی بوتلیں دشمن کے ٹینک تباہ کرنے کے لیئے استعمال کی جاتی ہیں کارخانہ میں کام کرنے والی سب کی سب نوجوان لڑکیاں ہیں جنھوں نے یہ نیا کام کبھی نہیں کیا تھا۔ وہاں صرف ایک مرد تھا جو منیجر کا کام کرتا تھا کارخانہ کے ایک فرد نے بھی ایسے نازک موقعہ پر کام سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی۔ تمام لڑکیاں رات کے وقت دوکان کے ایک کونہ میں اطمینان سے سویا کرتی ہیں۔ کارخانہ میں رفتہ رفتہ مشینیں بڑھا دی گئیں اور کارخانہ آگ کی اتنی بوتلیں تیار کرنے لگا کہ [illegible] دوسری جگہوں پر روانہ کرنے کے لیئے مال کاریاں استعمال ہونے لگی ہیں۔ [illegible] کارخانہ نیا خوفناک سامان تیار کرنے لگا۔ [illegible] معمولی بوتلوں کی طرح نظر آتی ہیں لیکن [illegible] دشمن کی موت بھری ہوتی ہے۔ [illegible] کارخانہ میں آتے ہیں تو وہ اس نئے ہتھیار کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ [illegible] کی سپریم سوویٹ کے پریزیڈیم کی جانب سے [illegible] بنانے والوں کو بڑے بڑے اعزازات دیئے [illegible] کوزلوف کارخانہ کا ڈائرکٹر اور اس کارخانہ میں کام کرنے والی لڑکیاں بھی شامل ہیں۔

نازی مقبوضہ علاقہ میں خبریں پہنچانا

جب لال فوج نازی مقبوضہ علاقہ میں داخل ہوتی ہے [illegible] معمولی گاؤں لوگ غاروں اور جنگلوں سے نکل کر سوویٹ سپاہیوں کا خیر مقدم کرنے آتے ہیں۔ انھیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ لال فوج ان کے علاقہ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ وہ مسکرا کر اپنی جیبوں سے ایک چھپا ہوا چھوٹا سا پرچہ نکالتے ہیں جس کے کناروں پر سرخ رنگ کی پٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ "ماسکو نیوز" کا اخبار ہے۔ "بالشویک اخبار" ماسکو کے دفتر سے یہ پرچہ اس وقت سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جب سے جرمن فوج نے ماسکو کی طرف پیش قدمی شروع کی ماسکو نیوز کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے نازی مقبوضہ علاقوں میں پھینکے جاتے ہیں۔

اس اخبار کے ذریعہ مقبوضہ علاقوں کے عوام کو لال فوج کے متعلق تفصیل کے ساتھ معلومات پہنچائی جاتی ہیں۔ چنانچہ انھیں رسٹوف کی فتوحات کے متعلق تمام باتیں معلوم تھیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ [illegible] پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں ہٹلر کی تمام تدابیر ناکام ثابت [illegible] ہیں اور یہ کہ تخنن اور ملیسٹ میں جرمن فوجیں بالکل تباہ کر دی گئی ہیں۔ اس طرح نازی مقبوضہ علاقوں کے عوام نازی فوجوں کی دستبرد سے آزاد رہے۔ اور انھیں اپنے ملحقہ علاقوں کی جملہ اطلاعات موصول ہوتی رہیں "ماسکو نیوز" کے ہر پرچہ میں مقبوضہ علاقوں کے عوام کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور انھیں دشمن کو نقصان پہنچانیکے لیئے ہدایات بہم کی جاتی ہیں۔ حال ہی میں اس کے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ

"دشمن کو روٹی گوشت یا دودھ مطلق نہ دو۔ ان وحشیوں کو گولیوں سنگینوں، دیسی بموں اور کلہاڑیوں سے مار بھگاؤ۔ ہم اپنے ملک پر دشمن کا قبضہ ایک منٹ کے لیئے برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم اس کے سامنے اپنی گردن کبھی نہیں جھکائیں گے"

اس اخبار سے عوام میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ حملہ آوروں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ عوام سرکاری ہدایات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان پر پوری طرح عمل کرتے ہیں نازیوں کی سختیوں کے باوجود لال فوج کے سپاہیوں کو پناہ دیتے ہیں اور ان کی اسوقت تک خبر گیری کرتے ہیں جب تک کہ انھیں کسی محفوظ مقام پر نہ پہنچا دیا جائے۔

آج ماسکو کا بہت سا علاقہ لال فوج نے واپس لے لیا ہے اس لیئے اب "ماسکو نیوز" کی تعداد بھی کم ہو گئی ہے۔ آزاد علاقوں میں پھر پرانے اخبارات اور رسالے جاری ہو گئے ہیں لیکن عوام اب بھی اس چھوٹے سے لال کوروں والے اخبار کو یاد کرتے ہیں جس نے ان میں ہمت اور استقلال کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا تھا

روس کی لال فوج اور وہاں کے عوام نے موجودہ جنگ میں یہ بات دنیا پر ظاہر کر دی ہے کہ ایک انستراکی نظام ہی ملک کی ہر طرح مدافعت بہترین ذریعہ ہے۔ جس پمفلٹ کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوویٹ روس کے عوام تنگ نظر وطنیت کے حامی نہیں ہیں بلکہ وہ اس قسم کی قید سے آزاد ہیں۔ ان کے جنگ میں حصہ لینے کا مقصد اپنے ملک کی مدافعت کرنا ہے نہ کہ دوسرے ممالک پر قبضہ کرنا اور ساتھ ہی وہ کل جرمن قوم کے دشمن نہیں بلکہ ہٹلر اور نازیت کے دشمن ہیں جس نے نہ صرف روس ہی بلکہ خود جرمن عوام کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے

دراصل یہ انستراکی نظام کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ وہاں کا ہر فرد روشن خیال ہے۔ روس کے عوام میں انستراک عمل ایک زبردست خصوصیت ہے انہیں اس وقت اس بات کا احساس ہے کہ موجودہ انستراکی نظام کی بنیاد ڈالنے میں ان کے رہنماؤں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں انہیں موجودہ نظام کے فوائد کا پوری طرح خیال ہے اس لیئے وہ آج اپنے نظام کو ہر قیمت پر بچانے کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں وہ اس وقت ہر قسم کی سختیاں اٹھانے اور قربانیاں پیش کرنے میں مطلق دریغ نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے آج سب سے اہم کام یہ ہے کہ نہ صرف روس بلکہ تمام دنیا سے فاشیت کی لعنت دور کر دیں۔

دو زبانوں میں دو دلوں کی دلکش
داستان محبت

ڈائرکٹر
مسٹر و بی. ایچ. ڈیسائی
بہترین کارنامہ

NATIONAL STUDIOS

نردوش (ہندی) (مرہٹی)

گناہگار اور بیگناہ انسانوں کی زندگی
محبت اور رقابت کے پردے میں دیکھئے
جگت ٹاکیز دہلی میں دوسرا کامیاب ہفتہ

فلمی ستارے
نلینی جیونت / مسٹر مکیش مسٹر ستیش
مسٹر کنہیا لال ۔ گلزار مسٹر ننگھما پرشاد
قائم علی

سواستک سینما بمبئی میں تیسرے کامیاب ہفتہ پر

سوجی

پہاڑ سے بھولا ہوا اور بہت سا۔ قابو میں نہیں ہم بھی زبان پر کہاں اور
ڈائرکٹر
مسٹر موہن سنہا

میں
اداکاری جذبات اور رقص و سرود کی دلکش و دل فریب کائنات

فلمی ستارے :۔ مشہور فلم اسٹار مسز درگا کھوٹے ۔ حسین و شوخ مشلا مس حسن بانو ۔ مس مایا دیوی / مسٹر ہریش ۔ مسٹر انصاری مسٹر ننگھما پرشاد
مس خیاطی مسٹر واسکر وغیرہ ۔

لالہ جی

عدالت عالیہ میں مجرم اور بے گناہوں کا انصاف
ڈائرکٹر مسٹر للت ہے مہتا و چمن کانت گاندھی
کی پیش کش
پروڈیوسر باٹی :۔ محبوب

محبت کرنا اتنا گناہ نہیں جتنا محبت کے پردے میں کسی ایسے جرم کا مرتکب ہونا جو دل آزار ہو ۔

اداکاران خصوصی :۔ مس یشودھرا کٹجو ۔ مسٹر کرشن کانت ۔ مس مایا دیوی ۔ مسٹر امر ۔ سردار یعقوب خاں ۔ مسٹر عبدالرحمٰن کابلی ۔
سنالینی دیوی ۔ قائم علی انصاری وغیرہ

پیش کنندگان :۔ نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ تارڈیو بمبئی نمبر ۷

جناب شہاب الدین شہاب دہلوی

آج مسٹر شاہد کی باری تھی کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی عجیب وغریب واقعہ سنائیں۔

چنانچہ شاہد نے پہلو بدلتے ہوئے اور اپنے سگریٹ کے دھوئیں سے فضائے آسمانی پر چھلے بناتے ہوئے سلسلۂ بیان یوں شروع کیا۔

میں آپ سے ۱۹۳۲ء کا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ جبکہ داروغۂ جیل تھا۔

میں نے ملازمت کے زمانے میں وقت کاٹنے کے لئے یہ معمول بنایا تھا کہ ہر روز کسی نہ کسی قیدی کو بلا کر اس کی زندگی کے واقعات دریافت کرتا تھا۔

چنانچہ کرشن نامی قیدی کی باری تھی۔ جیسے آئے ہوئے تو آٹھ ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ مگر اس عرصہ میں اس کو کسی سے بات چیت کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

پہلے تو کرشن نے میرے ساتھ گفتگو تک کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن میرے بے حد اصرار کرنے پر اس نے اپنی داستان یوں شروع کی۔

میں اپنی زندگی کا وہ اہم ترین واقعہ آج آپ کو سناتا ہوں۔ جس کی بدولت میں آج یہاں پر ہوں۔

میں بھی ایک رئیس خاندان کا لڑکا تھا۔ میرے والدین لاکھوں روپیہ کے مالک تھے۔ کیونکہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لئے اس کے انتقال کے بعد تمام دولت کا میں ہی مالک تھا اور میں نے تعلیم بھی بہت اچھی پائی تھی۔ والدین کے انتقال کے بعد میرے پاس لاکھوں روپیہ اور لاکھوں روپے کی جائداد تھی۔ جوان تو میں تھا ہی اب دولت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ اور میں اپنی زندگی کے ایام عیش وعشرت میں بسر کرنے لگا میرے لئے ہر دن عید اور رات شبرات تھی۔ مجھے اپنی زندگی خوب یاد ہے۔ تمام بیتے ہوئے نقشے اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ لیکن میرے دل میں ایک تمنا ہے۔ اور اس کو پورا کرنے کے لئے میں اپنی جان تک دے ڈالنے کو تیار ہوں۔ اور سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ تمنا صرف یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ اپنی پیاری رادھا کی تصویر دیکھ لوں کہ جس کو پہلے میں ٹھکرا چکا ہوں۔ اور جس کی وجہ سے میں آج یہاں ہوں۔

اس کا نام رادھا تھا۔ اس کا خاوند کسی فرم میں معمولی نوکر تھا۔ وہ غریب تھے۔ لیکن رادھا سلیقہ شعار تھی وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ ایشور اس کے گناہ معاف کرے۔ اس کا ماحول انتہا سخت تھا کہ اس کو مجھ سے محبت کرنے کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔

میں جوان خوبصورت اور دولت مند تھا لیکن رادھا سے واقفیت کب اور کیونکر ہوئی یہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔ کرشن نے اپنا سلسلۂ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ رادھا مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ دراصل اس کا علم مجھے بعد میں ہوا جبکہ میں اس کو کھو چکا تھا۔ ہاں تو رادھا میرے ساتھ بائیسکوپ جایا کرتی تھی۔ وہ اکثر دوران کھیل میں اپنا سر مجھ پر جھکا دیتی اور کہتی کہ "کرشن پیارے میں جانتی ہوں کہ مسرت کا یہ لمحہ بہت لمبا نہیں ہے۔ لیکن کچھ پرواہ نہیں۔ میں اس لمحہ ہی میں ایک زندگی گزار چکوں گی"۔ مجھے یہ تمام لفظ خوب یاد ہیں۔ میرے دل پر نقش ہیں۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ میں نہیں بتا سکتا۔ ہاں قطع تعلق کے وقت میں نے ہی پہل کی اور اسے چھوڑ دیا یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ میرے تمام ساتھی اس طرح کرتے تھے۔ کسی عورت کے ساتھ اس طرح معاشقہ کرتے اور پھر اسے دھتکار دیتے تھے۔ میں نے بھی اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی تقلید کی اور اس وقت یہ خیال میرے دل میں پیدا ہی نہیں ہوا کہ میں کوئی خراب یا نازیبا حرکت کر رہا ہوں۔ چوری کرنا یا ڈاکہ ڈالنا یہ باتیں حقیقت میں بری تھیں اور جرم تھیں۔ مگر کسی عورت سے محبت کر کے اس کو چھوڑ دینا یہ تمام دنیا کا دستور تھا۔

میرے سامنے ایک روشن اور شاندار مستقبل تھا۔ اس کے مقابلہ میں خود کو ایک عورت کی محبت کے لئے پابند کر لینا ایک احمقانہ حرکت سمجھتا تھا۔ یہ واقعہ درحقیقت دردناک تھا۔ لیکن میں نے خود پر فتح پائی۔

کچھ عرصہ بعد میں نے سنا کہ رادھا اپنے شوہر کے ہمراہ کہیں چلی گئی اور جلد ہی مر گئی۔ لیکن میں نے اس ذلت اس خبر سے کچھ اثر نہ لیا۔ کیونکہ میں اسے بھول جانا چاہتا تھا۔ آخر میں رادھا کو بھول جانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس طرح برسوں گذر گئے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا۔ میں اس وقت لاکھوں روپے اور جائداد کا مالک تھا۔ اور لاکھوں روپے کا کاروبار بھی چل رہا تھا۔ میں نے شادی کی۔ ایک کری دوسری کری۔ پرماتما نے مجھے اولاد بھی دی۔ اس کے بعد قسمت نے پلٹا کھایا۔ اور مجھے ہر کاروبار میں نقصان ہونے لگا شہر میں ہیضہ پھیل گیا۔ میری دونوں بیویاں ہیضہ کا شکار ہو گئیں۔ اور اولاد کو میں نے قریبی لواحقین کے ہاں بھیج دیا۔ مجھے اس وقت یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے بچے زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔

جب مجھے کاروبار میں نقصان ہونے لگا۔ اور دونوں بیویاں مر گئیں تو میں نے شراب پینی شروع کر دی۔ اور جوا بھی کھیلنے لگا۔ اس میں میری رہی سہی پونجی بھی ضائع ہو گئی۔ اور میں پستی اور ذلت کے غار میں گرنے لگا۔ آہستہ آہستہ میں ذلت کے اس درجے کو پہنچ گیا۔ جہاں آپ اب مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے بیچ میں کچھ سنبھل کر جلد ہی بڑھئی کا کام سیکھ لیا جو میرے لئے جان لیوا ثابت ہوا جس نے گذرے ہوئے واقعات کو پھر یاد دلایا

ایک روز میں سردی سے ٹھٹھرتا ہوا اور بھوک پیاس سے تڑپتا ہوا گلیوں میں سے گذر رہا تھا۔ کہ ایک عالیشان مکان سے ایک عورت نے آواز دی "کیا تم بڑھئی ہو؟" "ہاں بڑھئی ہوں" میں نے جواب دیا۔ اور مجھے اپنے ہمراہ ایک کمرہ میں لے گئی۔ جو بہت آراستہ اور پیراستہ تھا وہاں بہت قیمتی قیمتی سامان اور تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ انھیں الماری کا ایک کواڑ درست کرانا تھا۔ میں نے کام شروع کر کے جلد ہی کواڑ درست کر دیا۔ گھر کی مالکہ نے مجھے ایک اٹھنی دی۔ میں وہ رقم واپس لیکر لوٹنے کے خیال سے پیچھے کی جانب مڑا کہ اچانک میری نظر ایک تصویر پر پڑی جو کہ کمرہ کے وسط میں لگی ہوئی تھی تصویر دیکھ کر مجھ پر مدہوشی سی طاری ہونے لگی۔ میں ٹکٹکی لگائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا تھا۔ رادھا!

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں رادھا کو بالکل بھول چکا تھا لیکن تصویر دیکھنے کے بعد جو کہ کمرہ کے وسط میں لگی ہوئی تھی۔ یکایک رادھا کی شکل میری آنکھوں میں جھومنے لگی۔ میں نے تصویر کی جانب دوبارہ دیکھا میرا تمام جسم لرز گیا "میں نے کہا" خاتون! اگر کچھ مضائقہ نہ ہو تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ تصویر کس کی ہے؟" اوہ یہ تصویر بڑی قیمتی تصویر ہے اسکو خریدے ہوئے آج دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

میں مکان سے باہر بھاگ آیا اس دن میری تمام زندگی کا رخ بدل گیا مجھے اپنی گذشتہ زندگی کی کمینہ حرکات کا احساس ہوا اور میں اپنی موجودہ ذلت گمراہی کو پا گیا۔ گذشتہ باتوں کو یاد کرتے اب مجھے مسرت ہونے لگی تھی۔ میں اس تصویر کو ایک دفعہ صرف ایک دفعہ اور دیکھنے کیلئے دیوانہ ہو رہا تھا میں روز گھر کے گرد چکر لگاتا مگر ناکام واپس لوٹتا آخر میں نے ایک نوکر سے دوستی گانٹھ لی۔ اب مجھ میں صبر کی بالکل تاب نہ تھی آخر ایک روز تصویر کو دیکھنے کا پختہ ارادہ کر کے گھر میں گھس گیا۔ مگر افسوس میں اس کمرے تک پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا اور میری تمنا دل کی دل میں رہ گئی۔

مجھ پر مقدمہ قائم ہوا۔ اور دن دہاڑے چوری کے جرم میں پانچ سال کی سزا دی گئی۔ کرشن نے اپنا قصہ ختم کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس بات کا رنج اور افسوس نہیں ہے کہ میں گرفتار کر لیا گیا اور قید کر دیا گیا۔ بلکہ رنج اس بات کا ہے کہ میں رادھا کی تصویر بھی نہ دیکھ سکا

صنفِ نازک سے متعلق

آپ نے پوچھا تھا

(س)

میں اس سال میٹرک کے امتحان میں پاس ہوئی ہوں۔ میرے والدین آئندہ تعلیم کے مخالف ہیں۔ آپ مجھے کچھ مفید مشورہ دیجیے؟

انیس فاطمہ

پٹنہ

(ج) محترمہ آپ کا یہ معاملہ ذاتی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے اس بات کا کوئی حق نہیں ہے۔ کہ ذاتی معاملات میں مداخلت کروں۔ آپ کے لئے دعا ضرور کروں گا۔ کہ آپ کی خواہش پوری ہو جائے۔

جہانتک ثانوی تعلیم اور خواتین کا تعلق ہے تو بظاہر اس بات کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ خواتین ثانوی کو تعلیم سے زبردستی محروم رکھی جائیں۔ ہمارے ملک میں اقتصادی نظام ابتر ہونے کی وجہ سے بیروزگاری بڑھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ ہمارے نظام کی خرابیاں دور کرنے کے بجائے تعلیم کے مخالف ہو گئے ہیں۔ خاص طور پر وہ خواتین کے لئے اعلیٰ تعلیم ضروری نہیں سمجھتے

آپ نے یہ نہیں بتایا کہ قبلہ والد صاحب کس وجہ سے آپ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ورنہ ممکن تھا کہ کچھ حد تک میں آپ کی مدد کر سکتا۔ اگر آپ کے کوئی بڑے بھائی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ تو ان سے سفارش کرانے سے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ قبلہ والد صاحب مخلوط تعلیم کے خلاف ہوں۔ اس لئے آپ کو کالج میں نہ جانے دیتے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو مخلوط تعلیم کے مقابلہ میں صرف تعلیم حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اگر آپ خواتین کے کالج میں جانا چاہیں۔ تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس کی اجازت ضرور مل جائے گی

(س) پھلجھڑی میں صنفِ نازک سے متعلق سوالات وجوابات کے بجائے خواتین کے لکھے ٹھوس مضامین بہتر ہیں۔ اگر آپ مجھ سے متفق ہوں تو شاید میں آپ کی مدد کر سکوں۔

خورشید رانی بی اے

(ج) محترمی ہم نے ایک صفحہ خواتین کیلئے وقف کر دیا ہے ہمارا اپنا خیال ہے کہ سوال وجواب کی صورت میں عجیب طریقے سے خواتین کے بعض اہم مشاغل حل ہو جاتے ہیں۔ خواتین کے لکھے ہوئے اصلاحی مضامین کو ہم اخبار میں علیحدہ جگہ دیتے ہیں۔ اگر سوالات اچھے مسائل پر کئے جائیں تو ان کے جوابات خود ٹھوس اور اصلاحی ثابت ہونگے اسلئے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ خواتین مفید سوالات کیا کریں۔ آپکی اعانت کی ضرورت ہے۔ ہمدردی کا شکریہ

(منیجر)

اس خاکے میں مختلف قسم کے رنگین پھول ہیں۔ اگر اسے انوکھی وضع سے کاڑھے جائیں۔ تو یہ ایک بہار آفریں پھول کے مانند نظر آئے گا۔ یہ خاکہ آپ بطور مرکز کے بھی بنا سکتی ہیں۔ اور بیل کی طرح بھی وہ یوں کہ تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ چھوڑ کر بنا لیں

خالدہ شمیم

کشن گنج۔ دہلی

ماڈرن پکچرز کی پہلی شان دار پیشکش
پھولا
پنجابی زبان میں
ڈائرکشن۔ ایل یعقوب۔ منور ایچ قاسم
مکالمے ——— ایل یعقوب
سینریو۔ منور ایچ قاسم
کہانی۔ منور ایچ قاسم۔ ایل یعقوب
اداکاران
حسین ساحرہ خورشید بانو۔ اروں ارشد گجراتی غوری گجندر
ایچ قاسم چنچل کماری موہنی گلزار
جدت طراز ڈائرکٹر شوکت حسین کی پھولوں بھری پیشکش جس پر فلم انڈسٹری فخر کریگی
پنچولی آرٹ پکچرز کا مایۂ ناز شاہکار
جسے ترقی پسند پروڈیوسر سیٹھ دلسکھ پنچولی نے پیش کیا ہے اور
خاندان
سوز و گداز شعلہ و شبنم نغمہ طرب اور زندگی و رومان کا دلنواز مجموعہ
جس میں
غلام محمد، پری چہرہ نور جہاں، منورما، بے بی اختر، اجمل، درگا پران وغیرہ وغیرہ بہترین کام کرتے ہیں۔
نوان موتی ٹاکیز میں
پر بہار ہفتہ
ڈسٹری بیوٹرز
ایمپائر ٹاکیز ڈسٹری بیوٹرز دہلی، لاہور

تنبیہ

فلمی مفتی اپنے تاج محلی ساتھی کی نظر میں

انڈسٹری کا روپیہ برباد کرنیوالے ڈائرکٹروں کو صنعت فلم سازی سے نکالو

پنچولی آرٹ پکچرز کی تصویر خاندان کی مخالفت فلمی مفتی کو کس قدر مہنگی پڑی ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف تو شمالی ہندوستان کا تمام پریس نام نہاد فلمی مفتی کے سیاہ کارنامے منظرِ عام پر لا رہا ہے اور دوسری جانب خاندان کی عظیم الشان اور قابلِ رشک کامیابی فلم سازوں کے دماغ پر فلمی مفتی کی فرضی چودھراٹ کا گہرا نقش مرتسم کر رہی ہے۔

فلمی مفتی کی پوزیشن آج کیا ہے ؟

یہ ہم سے نہ پوچھئے بلکہ اس اخبار نویس سے پوچھئے جو فلمی مفتی کی غلط ساز انجمن کا اہم پرزہ اور تاج محلی دھڑے کا پٹھا نا　　فلمی پارٹی کا یہ رکن رکین لکھتا ہے:۔

"آٹھویں ہفتہ میں پنچولی آرٹ پکچرز کا مایۂ ناز فلم خاندان سوتی ٹاکیز میں چل رہا ہے روزانہ تین شو ہوتے ہیں اور ہر شو میں اس کثرت سے فلم دیکھنے والے آتے ہیں کہ ٹکٹ لینا اور جگہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ آمدنی کا اوسط آٹھویں ہفتہ میں... ۵ ہزار ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقبولیت اور آمدنی کا جو ریکارڈ خاندان نے قائم کیا ہے وہ بہت کم فلموں کو میسر ہو سکا"

یہ ہے اس اخبار کی رائے جو فلمی مفتی کے ہر فتوے پر اب تک "الجواب صحیح" کہنے کا عادی تھا۔ آگے چل کر یہی اخبار لکھتا ہے۔

"خاندان کی مخالفت کی جو آواز بلند ہوئی تھی وہ مسٹر دل سکھ پنچولی کے مضبوط ارادے سے مکڑی کے جالے کی طرح فنا ہو گئی"

مخالفین نے جن اغراض کے ماتحت مسٹر پنچولی کی مخالفت کی تھی اس سے عام مسلمان باخبر ہو گئے تھے۔ ہم خاندان جیسی کامیاب تصویر پیش کرنے اور مسٹر دل سکھ پنچولی اور مسٹر شوکت حسین ڈائرکٹر کو مبارکباد دیتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ وہ انڈسٹری کے لئے اس سے زیادہ محنت اور مستعدی سے کام کریں گے اور ان کے آنے والے فلم اس سے زیادہ مقبول ہونگے۔

فلمی مفتی کو معلوم ہونا چاہئے کہ موہن پکچرز اور پنچولی آرٹ پکچرز میں بہت فرق ہے۔ اور اس کی یہ بے جان اور بے اثر مخالفت مسٹر دل سکھ ایم پنچولی کے آہنی ارادوں میں کوئی جنبش نہیں پیدا کر سکتی۔

ہندوستان کی فلم انڈسٹری میں چند ڈائرکٹر اس قسم کے ہیں کہ وہ فلم تیار کرنے میں اپنی عقل کے مقابلہ میں روپیہ زیادہ صرف کرتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے فضول خرچ ڈائرکٹروں کی وجہ سے ایک معمولی فلم پر کئی کئی لاکھ روپیہ برباد کیا گیا لیکن نتیجہ میں فلم بری طرح ناکامیاب ہوئی اور اس طرح ایک طرف تو فلم کمپنیوں کو سخت نقصان پہنچا دوسرے فلمی صنعت کا ایک حصہ بری طرح رائگاں گیا، ویسے تو کسی فلم میں مناسب طریقہ سے روپیہ لگانا بہت ضروری ہے، ہالی ووڈ کی بعض فلموں پر ایک مختصر سین کے لئے لاکھوں ڈالر صرف کر دیئے جاتے ہیں، لیکن ہندوستان کے چند ڈائرکٹر محض اپنی جیب بھرنے کے لئے یا اپنے کچھ احباب کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہزارہا روپیہ پھونک ڈالتے ہیں۔

ایک ڈائرکٹر جو اس فن میں خاص مہارت رکھتے ہیں ایک نئی فلم کمپنی قائم کرنے کی فکر میں ہیں اور اپنی گذشتہ روایات کو قائم رکھنے کے لئے ایک اخبار کو صرف پبلسٹی کے واسطے بارہ ہزار روپیہ دیئے ہیں ان کا خیال ہے کہ روپیہ کی بارش کرنے سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے

اس قسم کے فضول خرچ ڈائرکٹروں کی مثال سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے تیار کردہ فلموں کا عبرتناک حشر دیکھنے کے بعد فلم انڈسٹری کے ناخداؤں کو یہ مشورہ دیں گے کہ فلم انڈسٹری کو جلد از جلد ایسے فضول خرچ ڈائرکٹروں سے آزاد کیا جائے۔

فلمی مفتی کو ایک اور صدمہ

پشاور میں خاندان نے تمام ریکارڈ توڑ دیئے

ابھی تک خاندان ہندوستان کے ۱۲ مشہور اسٹیشنوں تک دو دو سینماؤں میں ریلیز ہوا، لیکن پشاور کی پبلک نے جس پر زور طریقہ پر فلم ہذا کا استقبال کیا اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ کارکنان ایمپائر ٹاکیز نے خاندان کی نمائش تصویر محل کے علاوہ دو سینماؤں میں بھی شروع کر دی لیکن پھر بھی سینکڑوں اصحاب کو مایوس لوٹنا پڑا۔

سید شوکت حسین اور مسٹر پنچولی قابلِ مبارکباد ہیں جن کی کوششیں بار آور ہو رہی ہیں۔

عبداللہ حکیم ذیڈیٹر پرنٹر پبلشر دیبہ پرائٹرز اینڈ ڈائرکٹرس نے انصاری پریس دہلی چھپوا کر دفتر اخبار چنگاری جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

"محبت ابدی ہے اور بے پناہ" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محبت صرف ایک وقتی جذبہ ہے، جو زمانہ کے ساتھ ساتھ ہر روز تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ نظریہ کسی حد تک درست ہو سکتا ہے لیکن سلیم پچاس کے پیٹے میں پہنچ کر بھی خدیجہ کا دم بھرتا تھا۔ اب بھی اسے جوانی کے وہ پرکیف لمحات بے چین کرتے تھے اب بھی اس کے دل میں جذبات و احساسات کا سمندر موجیں مارتا تھا گو زمانے کے حوادثات اور انقلابات نے اسے بہت کچھ بدل دیا تھا لیکن دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوا نغمۂ محبت جسے وہ رباب جوانی پر سجا چکا تھا۔ اب بھی بڑھاپے کے شکستہ تاروں پہ گونج اٹھتا تھا۔ زمانہ خواہ کتنی ہی کروٹیں لے زندگی خواہ کتنے ہی رخ بدلے دنیا خواہ کتنی ہی بار تبدیل ہو۔ لیکن "محبت" انسان کے رگ و ریشہ سے لپٹی رہتی ہے۔

سلیم ایک شریف خاندان سے متعلق تھا لیکن زمانے کے ہاتھوں اس خاندان کی امارت کا سہاگ اجڑ چکا تھا اور محض یہی وجہ تھی کہ وہ خدیجہ کو حاصل نہ کر سکا بھلا سماج کے ٹھیکہ دار۔ ایک دولت مند کی لڑکی کو ایک مفلس لڑکے کے ہاتھ کس طرح سونپ سکتے تھے۔ گو زمانے نے پھر اسے دولت کے انبار پر لا کھڑا کیا تھا۔ لیکن کب؟ جب اس کی تمنائیں خاک میں مل چکی تھیں۔ جب اس کی امید دن کا خاتمہ ہو چکا تھا جب اس کی آرزوئیں کچلی جا چکی تھیں اب اس کے لئے دولت بیکار تھی۔ بالکل بیکار۔ لیکن اب بھی کبھی کبھی اس کے دل میں وہ آرزو عود کر آئی۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ جو رنگین خواب جو اس نے جوانی کے ایام میں دیکھے تھے۔ وہ کبھی نہ کبھی شرمندۂ تعبیر ہو جائیں۔

خدیجہ کی شادی ایک متمول گھرانے میں ہوئی تھی۔ گو وہ اس شادی پر کسی طرح بھی راضی نہ تھی۔ لیکن سوسائٹی بھی سلیم سے شادی کرنے پر رضامند نہ تھی ——— بھلا سماج اور بے زبان لڑکی کا مقابلہ بھی کیا۔ وہ مجبوراً سماج کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دی گئی۔ ماں باپ اپنی دانست میں اپنی اولاد کو جنت میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ جہنم میں جھونک دئیے جاتے ہیں۔ خدیجہ بھی شریف تھی اسے ماں باپ کی مرضی سماج کے حکم، اور قسمت نے لاچار کر دیا۔

وہ ایک بچے کی ماں ہو چکی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ طوفان جو اس کے دل میں موجیں مار رہا تھا مدھم پڑ گیا۔

سلیم نے بہتیرا چاہا کہ وہ اپنی ناکام محبت کے ہمراہ مجنوں کی طرح دشتِ نوردی کرے۔ لیکن وہ سوسائٹی کا ایک فرد تھا۔ اور پھر زمانہ بھی کچھ اور اس نے سماج سے انتقام لینے کی ٹھانی لیکن سماج کی آہنی دیواریں دیکھ کر وہ مایوس ہو گیا۔ اور اپنی قسمت پر صبر کر کے تھوڑے عرصہ وہ کاروباری دنیا میں لگ گیا۔ اس کے دل سے کسی حد تک خدیجہ کا خیال دور ہو چکا تھا۔ وہ کبھی کبھی خدیجہ کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ سماج اسے کسی طرح بھی نہ روک سکتا تھا۔ کیونکہ خدیجہ رشتہ میں اس کی ماموں کی بیٹی تھی۔ تاہم اب وہ نغمہ کبھی لبوں پر رقص کرتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ بلکہ جب کبھی وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تو نگاہوں کے تصادم میں ایک لامتناہی سلسلۂ گفتگو شروع ہو جاتا۔ آنکھوں کی زبانی۔ شکوے اور فریاد کا دفتر سنا دیا جاتا اور بس!!

"خدیجہ! تمہارا لڑکا اب پیر نکال رہا ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ تمہارا لڑکا ایسا ہوگا۔!!"

"کیا ہوا سلیم!! اس نے کیا کیا؟"

"کرتا کیا، آج وہ آمنہ سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔"

"کہو سلیم کہو ......"

"کیا کہوں خدیجہ! کاش! کاش!!"

"ہاں سلیم! سچ کہتے ہو، لیکن چھوڑو ان پرانی باتوں کو!!"

"خدیجہ! زندگی ایک دھوکہ ہے۔ سراب ہے۔ دیکھنے میں تو کتنی پُر لطف دکھائی دیتی ہے لیکن ......" وہ پھر خیالات کے بھنور میں ڈوب گیا ——— خدیجہ! وہ دن یاد ہے جب ہم اور تم باغ میں کھیلا کرتے تھے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں تمام زندگی تمہارا ساتھ دوں گی لیکن تم نے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد میرا ساتھ چھوڑ دیا۔!!"

"کیوں خواہ مخواہ وہ باتیں یاد دلاتے ہو سلیم! آنسو تمہاری آنکھوں میں!! ———"

"ہاں"

"پیارے سلیم مت روؤ"

"پھر کہو خدیجہ ایک بار پھر" خدیجہ مجھے معلوم ہے کہ سماج نے جبکا تمہارے ساتھ بندھن باندھا وہ نہ رہا، اور جس کا میرے ساتھ وہ نہ رہی۔ لیکن اب سماج کا منہ کچلنے کے لئے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں، خدیجہ اقرار کرو، اسی طرح کہ تم مجھ سے شادی کرو گی کہو، پیاری خدیجہ!! کہو، تم مجھ سے شادی کرو گی!؟ خدیجہ ———

آہ! کہہ کر سلیم کرسی کے نیچے گر پڑا۔ اس کا تمام چہرہ خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ خدیجہ کا نوجوان لڑکا غصہ سے بھرا ہوا، تھر تھر کانپ رہا تھا ——— مجھے آج معلوم ہوا اماں! یہ ماموں کے بھیس میں چھپا ہوا شیطان ہے"

"بیٹا یہ تو نے کیا کیا؟" ماں نے لپٹتے ہوئے کہا

"یہ بدذات میری ماں سے شادی کرنا چاہتا ہے۔!! اس کی سزا"

سلیم ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں اس کی بالکل نازک حالت تھی۔ خدیجہ فرطِ غم میں بیٹھی ہوئی سوچ رہی تھی۔ ——— اب کیا ہوگا۔ حامد، میرے بچے۔ اگر سلیم مر گئے تو پھر ...... تو پھر، نہیں، نہیں! ———"

ماں اس نے تمہاری توہین کی تھی! میری ماں سے اور شادی کا پیغام، ماں میں پھانسی چڑھ جاؤں گا، لیکن مجھ سے یہ کبھی برداشت نہ ہو سکتا تھا۔ کہ میری ماں کی توہین ہو ———،

"نہیں نہیں بیٹا، الزام میں اپنے ذمہ لے لوں گی، میں کہوں گی کہ میں نے سلیم کو قتل کیا ہے کیونکہ اس نے میری توہین کی تھی ———"

"نہیں ماں میں خود جا کر پولیس میں رپورٹ درج کرا دیتا ہوں کہ سلیم کا میں قاتل ہوں ———" وہ یہ کہتا ہوا نکل گیا!

سلیم چند ماہ کی دیکھ بھال کے بعد کسی قدر ٹھیک ہو گیا کیونکہ اس کے کوئی کاری ضرب نہ آئی تھی۔ حامد کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر ہو چکا تھا۔ ایک روز بعد سلیم کا بیان ہونے والا تھا ———

"سلیم خدا کے لئے میرے بچے کو بچاؤ، اس کی جوانی پہ ترس کھاؤ، میں تمہارے پیر پڑتی ہوں"

"خدیجہ! میں نے تم سے اول بار، شادی کا پیغام دیا تو سماج نے دشمنی برتی دوسری بار میری امیدوں کو تمہارے لڑکے نے کچلا"

"سلیم کوئی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی ماں کی توہین ہو"

"ہونہہ، توہین!!"

"سلیم ——— میں تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دیتی ہوں تم میرے بچے کو بچاؤ ———"

"محبت" کے لفظ پر سلیم کا دماغ چکرانے لگا جس محبت کے لئے اس نے اتنے مظالم سہے اتنی تکالیف برداشت کیں اپنی آرزوؤں کو پامال کیا اپنی خواہشات کو تج دیا آج وہی "محبت" کا لفظ اس کی آنکھوں کے سامنے تھرک تھرک کر ناچ رہا تھا۔ وہ اس وقت عجیب ماحول میں گھرا ہوا تھا ——— محبت، ماں کی مامتا، جوش ——— انتقام!!

"ابا جان ———!! اس کے خیالات کو اس کی خوبصورت بیٹی نے توڑا، اس کی نظروں میں معصومیت یاس اور حسرت تیر رہی تھی ——— ابا جان!!" وہ محسوس کرنے لگا، کہ کل دنیا گھوم رہی ہے۔ کل دنیا۔

حامد آزاد ہو گیا، لیکن فوراً ہی آمنہ کیسا تھ ازدواجی زندگی میں بندھ چکا تھا۔ خدیجہ مسکرا رہی تھی۔!

سلیم اور خدیجہ کا رشتہ اب اور بھی وسیع ہو چکا ہے لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ سلیم کبھی کبھی خدیجہ سے مذاق سے پوچھتا ہے۔ خدیجہ اب بھی مجھ سے شادی کرو" خدیجہ مسکرا کر جواب دیتی ہے ——— وہ دیکھو ہماری محبت کا جواب اور ہماری محبت کا انجام!!"

٭

یہ ہے سینما

مسٹر مغنی نیشنل میں

فلمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی مسرت سے سنی جائے گی۔ کہ ہندوستان کے ترقی پسند پروڈیوسر اور مشہور پبلسٹی ایکسپرٹ مسٹر ایم۔ اے۔ مغنی۔ دہلوی نے عام فلم کی کمیابی کی وجہ سے فی الحال اپنے پروڈکشن کا کام ملتوی کر کے نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ میں بطور جنرل پبلسٹی آفیسر کے شمولیت اختیار کر لی ہے۔

ہم مسٹر مغنی کی نیشنل اسٹوڈیوز میں شمولیت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ مسٹر مغنی کی پبلسٹی نیشنل کی تصاویر کو مقبولیت کے اس درجہ پر لے جائے گی۔ جہاں ان کو جانا چاہئے۔ ہم نیشنل اسٹوڈیوز کو اس عہدہ پر مسٹر مغنی کے انتخاب کی داد دیتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اس انتخاب کا فلمی حلقوں میں پرجوش خیر مقدم کیا جائے گا۔

پٹولا

جب سے اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی مشہور اداکارہ خورشید اپنی فلم کمپنی ماڈرن پکچرز کی اولین پیش کش پٹولا میں ایک نئے اور نرالے انداز میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ فلم بین حلقوں میں "پٹولا" کی نمائش کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔

یہ فلم قریب قریب مکمل ہو چکی ہے۔ اور جو حصہ ابھی تک نامکمل ہے وہ بھی بسرعت فلمایا جا رہا ہے۔ اور امید ہے کہ وسط جولائی تک نمائش کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پٹولا کی کہانی منور ایچ قاسم اور ایل یعقوب کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

جن لوگوں نے پٹولا کی شوٹنگ دیکھی ہے کہ یہ فلم پنجابی فلموں میں ایک امتیازی درجہ حاصل کرے گی

مکالمے مسٹر ایل یعقوب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

جھنکار

کوئی خبر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج کل پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ آرام کر رہا ہے۔

ہند پکچرز
کلجگ

آنے والی تصویر کا نام سگائی کے بدلے کلجگ تجویز کیا گیا ہے اس کو سوسائٹی کے کامیاب ڈائرکٹر مسٹر نذیر ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔ اور اداکاروں میں۔ نذیر۔ ستارہ۔ مجید۔ آزوری۔ الزار آدما نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ تصویر سوسائٹی سے بھی زیادہ کامیاب ہوگی۔

سوسائٹی

دہلی میں دوسرے ہفتہ میں چل رہی ہے۔ تصویر دہلی میں بہت زیادہ پسند کی گئی ہے اور امید ہے کہ ابھی دہلی میں کئی ہفتہ اور چلے گی۔

سکسینہ اینڈ کمپنی

سنیجون آرٹ پکچرز کی تصویر دو سپاہی کے شمالی ہندوستان کے حقوق تقسیم حاصل کر چکے ہیں اس میں صنعت فلمسازی کے پرانے اداکار ماد معوراؤ کالے۔ پریچہرہ، شانتا اور راجکماری وغیرہ کام کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ تصویر شمالی ہندوستان میں غیر معمولی کامیابی حاصل کرے گی۔

اس کی کہانی دو یتیم بچوں کی دکھ بھری زندگی سے بحث کرتی ہے۔ جس میں رقص۔ موسیقی اور مزاح کی چاشنی دی گئی ہے۔

واڈیا پیراماؤنٹ پکچرز دہلی

نیشنل اسٹوڈیوز کے نگارخانے میں امرت پکچرز کی فلم "تصویر" کی رسم مہورت ادا ہو چکی ہے۔ اس فلم میں درگا کھوٹے، موتی لال، ڈیوڈ، سورن لتا، نوین یگنگ اور راجکماری وآزوری کام کرتے ہیں۔

راجہ رانی کی نمائش چترا بنارس اور نشاط انبالہ میں جاری ہے۔ اور جولائی سے بریلی میں دکھائی جائیگی

رائے صاحب تیار کردہ جنگ پکچرز بمبئی میں آٹھویں ہفتہ میں دکھایا جا رہا ہے۔ ۱۰ جولائی سے اس کی نمائش پشاور میں شروع ہوگی۔

"ایک رات" اور "رائے صاحب" اندر "مالن" عنقریب دہلی میں ریلیز ہوگی۔

نیشنل اسٹوڈیوز لمیٹڈ بمبئی

مسٹر محبوب اپنی "روٹی" میں حقیقت پر خاص زور دے رہے ہیں۔ اور ہر واقعہ اور قطعہ تصویر کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے رصوبی تلاؤ بمبئی پر فقیروں کے چند مناظر فلمبند کئے۔ جس میں شیخ مختار، ستارہ اور اشرف خاں بھی شامل تھے۔

کنوارہ باپ کی ناکامی

دہلی میں آچاریہ آرٹ پروڈکشن کا تیار کردہ فلم کنوارہ باپ نمائش کے لئے پیش کر دیا گیا۔

اس کو کگن، نیاجن اور نیا سنسار کے خالق مسٹر آچاریہ نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ تصویر اپنی ناکارہ پبلسٹی کی وجہ سے دہلی میں مقبول نہیں ہوئی۔

آر۔ ایس چیندن مل اندر کمار
منگتی کی کامیابی

شوری پکچرز لاہور کی فلم منگتی جلد ہی مقامی جگت سینما میں نمائش کے لئے پیش کی جائے گی۔

یہ فلم لاہور۔ کراچی، پشاور، جالندھر، لدھیانہ، ملتان اور امرتسر میں علی الترتیب۔ انیسویں۔ ساتویں۔ آٹھویں۔ چوتھے، پانچویں، دوسرے اور چوتھے ہفتہ میں دکھائی جا رہی ہے۔

علاوہ بریں گوجرانوالہ، منٹگمری، لائل پور، سیالکوٹ، اور جموں میں سلسلہ وار دو، تین، پانچ، پانچ اور چار ہفتہ تک چل چکی ہے۔ اس فلم کو شوری جو بیر نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ اور اس میں مجنوں۔ ممتاز شانتی، اور منورما کام کرتے ہیں یہ فلم پنجابی زبان میں ہے۔

ماروی عرف میری دنیا

جلد ہی نمائش کے لئے پیش ہوگی اس کی ہدایات مسٹر مظہر خاں کے تجربہ کار ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ اس کے مکالمے سحر بھرے رقص، اور حبا: دانش گانے، آزوری کے رقص دیکھنے والوں کے دلوں میں ہنگامہ برپا کر دیں گے۔

چترا پروڈکشنز بمبئی

"کسی سے نہ کہنا" کی تصویر کشی ہو رہی ہے۔ دو نوجوانوں کی کہانی ہے۔ جن کی شادی ان کے ماں باپ نے اپنی مرضی سے کر دی تھی۔ وہ دونوں لڑکی اور لڑکے محبت کرتے تھے۔ انہوں نے پہلی رات عہد کیا کہ وہ دوساتھیوں کی زندگی گزاریں گے جو ملوث نہیں ہوگی۔

نئی تصویر کی مہورت ہو چکی ہے۔ اس میں موتی لال ہیرو ہوگا۔ امد نند لال اس کی ڈائرکشن کریں گے۔ کہانی مسٹر کے ایس دریابانی نے لکھی ہے۔

ہمدرد کا شربتِ روح افزا کیسے تیار ہوتا ہے؟
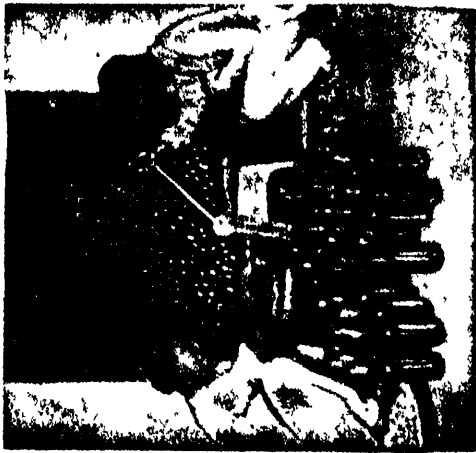
مشین سے بوتلوں میں کاگ لگائے جارہے ہیں اور مشین ہی سے کیپسول لگائے جارہے ہیں۔

شربت روح افزا مشین سے صاف کیا جارہا ہے اور بوتلوں میں بھرا جارہا ہے
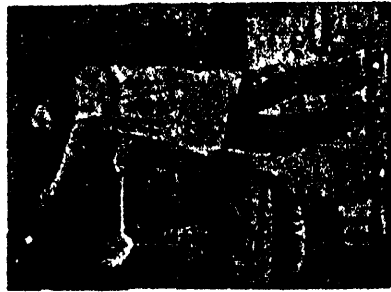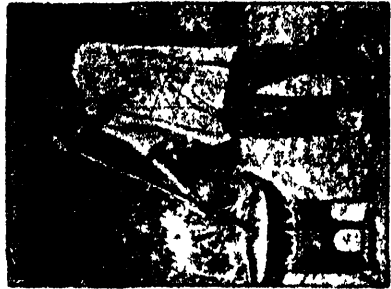
شربت روح افزا کی تیاری کی ٹنکی جس میں حرارت، وزن، مقدار اور شربت کا قوام معلوم کرنے کے آلات لگے ہوئے ہیں اور جس میں ایک ہی وقت میں ایک ہزار سے زیادہ بوتلیں تیار ہوتی ہیں۔

جدید آلات سے پھلوں اور دواؤں کا جوہر نکالا جارہا ہے
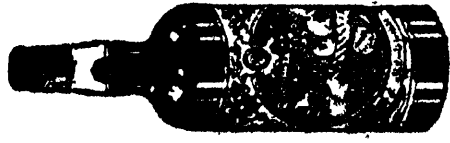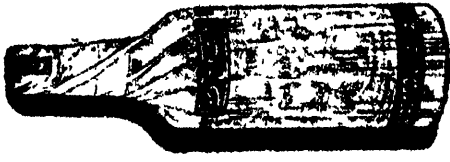
شربت روح افزا کے پیکنگ کا ایک منظر

بازاری شربت کی تیاریاں

شکر کو پانی میں گھولنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہلانے میں جہاں ذرا سی چوک ہوئی اور قوام بگڑا!

لیجیے، "ڈیڑھ تار" کا قوام تیار ہے۔ کوئی بات تو ہے جو لوگ مجھے اُستاد کہتے ہیں!

دس دس رُپے پونڈ کا کھانے کا رنگ آجکل ڈالا تو بس کام ہی ہوگئی۔ کھانے کے اور رنگنے کے رنگوں کے فرق کو سمجھتا ہی کون ہے!

اس سائنٹفک طریقۂ تیاری، مخصوص نسخہ اور اعلیٰ کوالٹی کو قائم رکھنے کے لیے ہر مالی قربانی - ان تینوں چیزوں نے "شربتِ روح افزا" کو دنیا کا لاثانی شربت بنا دیا ہے

Edited, Printed and Published by Abdulla Shamim at Ansari Press, Delhi.
Only Cover Printed at the BENGAL PRESS, PUL BANGASH DELHI.

ایک کارٹون

جاپان کی تباہی

ہٹلر اپنے عہد عروج پر

روسی مدد کے گرفتار شدہ جرمن اسیران جنگ

دریائے روھئر میں داخلہ

جرمنی کی قید سے آزاد کرائے ہوئے امریکن سپاہی

مولٰنا حسین احمد اور آزاد

از خان اصغر حسین نظیرؔ لودھیانوی

معاصر زمزم مورخہ ۔ اگست میں شائع شدہ نظم کے جواب میں

حال حسین احمد جو شیخ الہند تھا کل تک ضرور
آج ہے لیکن مقام مصطفےٰ سے بے خبر

مسجد نبوی میں تھا جو کل تلک سرگرم سجود
واردھا کے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سر

کل تلک جو ... پلاتا تھا قوم کو زمزم کے جام
تشنہ لب ہے آج خود گنگا پہ وہ عالی گہر

کل تلک جس کی جلالت تھی حرم کی پاسباں
آج ہے وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی سپر

کل تلک سرگرمیاں جس کی تھیں ملت کے لئے
آج ہے اس کو مسلمانوں کی محفل سے حذر

کل تلک تھا جو اسیران کراچی میں سے ایک
آج ملت کے مقاصد پر نہیں اس کی نظر

دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی
کٹ کے ملت کے شجر سے اُس نے پایا ایک ثمر

قوم کے جوش غضب سے ڈر کے ... روپوش آج
جو بھی اس ملک میں تھا قوم کا نور نظر

جس کے علم و آگہی پر تھا کبھی ملت کو ناز
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

... نیت کی ملت بیضا کو پروا ہے کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

فرموداتِ ماہر

از

جناب خانصاحب حکیم محمود علی خاں ماہر اکبرآبادی

پہونچنا اب نہیں دشوار مجھکو اپنی منزل تک
جھکا رہے موج غم کے بن گئے ہنگامہ محشر
یہ آخر کون سجدے کرتا اس جانب سے گذرا ہے
سنی کس نے صدائے دردِ الفت ... ...
ہوئے شوق ملنے کو ٹھکانے سے ... ... کی
مجھے بھی چھیڑنے آتے ہیں اکثر آتش ... ... !
خدا معلوم کیا کچھ اور گذرے گی مرے دل پہ
ہمیں اک تیسرا مرکز بنانا ہے محبت میں
مری آفت نصیبی کچھ نہ پوچھو دہر میں ماہر

کہ خود لے جائیگا شوق شہادت بزم قاتل تک
مری آواز کیا پہونچے سبکساران ساحل تک
چراغ آرزو روشن کئے ہیں کس نے منزل تک
رہا محدود یہ نغمہ ہمیشہ پردۂ دل تک
فنا کے بعد پھر جانا پڑے گا کوئے قاتل تک
نہیں موقوف یہ آتش بیانی شمع محفل تک
ہزاروں غم نہیں پہونچے ابھی غمخانۂ دل تک
نظام دیر و کعبہ ہیں حدود حق و باطل تک
جو آفت آسماں سے آئی وہ آئی مرے دل تک

کامیابی سے ترقی کی منازل طے کرنیوالی رمنک پروڈکشنز کی تازہ ترین پیشکش
ایک عظیم الشان فلم
پروڈیوسر
رمنک لال این شاہ
ڈائرکٹر
راجہ نینے
جو کہ عام پبلک اور اونچی کلاسوں کی اشخاص دونوں کیلیئے یکساں دلچسپ ہے
تارا ستی
عکاسی
اے محمد
موسیقی
کے بھولے
اداکارات:- سوبھنا سمرتھ - کنہیالال - اننت مراٹھے - بے بی شکنتلا - سروج بورکر - ٹی وسنت - وغیرہ
رمنک پروڈکشن کا جدید فلمی شاہکار
گاؤں کی گوری
ڈائرکٹر:- ے امرناتھ
اداکار:- نورجہاں، درگا کھوٹے، نذیر، جگدیش سیٹھی، راما شکل، اننت
ہمارا آئندہ پروگرام
فادر انڈیا
تفصیلات کیلئے لکھئے:- رمنک لال موہن لال اینڈ کمپنی کھیت واڑی مین روڈ بمبئی
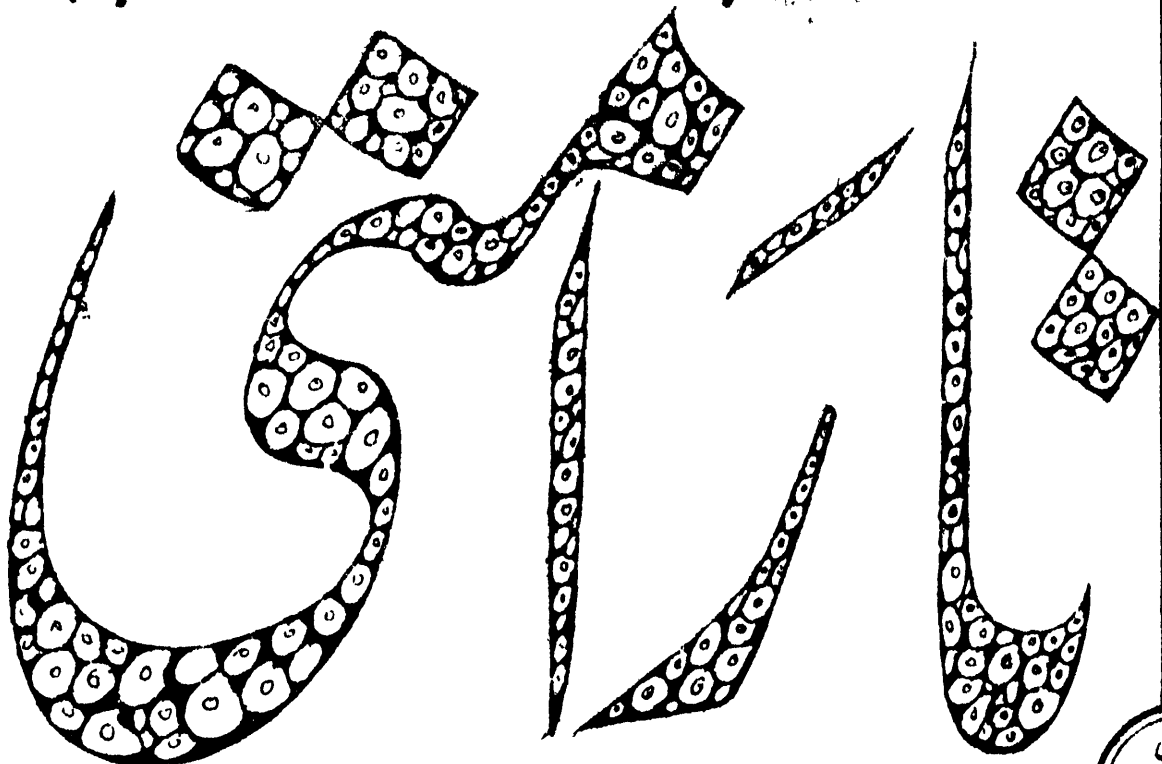
"لیلیٰ مجنوں" کے بعد ہند پکچرز کے دلوں کی گہرائیوں میں بسنے والے شاہکار
زیر تکمیل رومان پرور شاہکار!
وامق و عذرا
کہانی و مکالمے منشی دل
آرٹ ڈائرکٹر ایم اسماعیل
موسیقار لتا اور نذیر
لیلیٰ مجنوں کا ہر دلعزیز حسین جوڑا پھر ایک ساتھ
ہدایت کار۔ نذیر
گانے:۔ تنویر
میں
دیگر اداکار۔ ایم اسماعیل۔ تسنیم۔ الماس۔ علاؤ الدین
یونس۔ نئی دریافت سلیمان
ہند پکچرز کی اچھوتی پیش کش!!
خود مختارانہ پکچرز کا شاہکار
گانے تنویر
ہدایت کار نیئر
لیلیٰ مجنوں کے ہدایت کار نیئر
کہانی و مکالمے منشی دل
اداکاران ؟ ؟ ؟ ؟
یادگار
لطیف جذبات واحساسات کا حسین و جمیل شاہکار
جاریکردہ:۔ ہند پکچرز مین روڈ دادر بمبئی نمبر ۱۴

ہو کے بیٹھ جاتے، لیکن جب انہیں یہ علوم شیلا کھا چکی۔ تو روٹیاں اٹھا کر پھینک دیتے نشے سے شیلا کی خبر لینے لگتے ——

روٹھ جانا —— بگڑ جانا۔ نفرت کرنا اور پلٹ کر دینا شیلا کی عادت ہو گئی —— اور گالیاں —— ذلیل سمجھنا، مارنا، پیٹنا خاوند کی خو گئی —— گھر میں پردہ نہ کرنے یا میلی کرتی اور دیگر ایسے سا پر جو گاؤں میں نہ پہنے جاتے۔ پیٹتے پر وہ ی اور بیسوا، کہکر مار پیٹ شروع کرتے۔ شیلا الفاظ انکی ماں اور بہن کیلئے استعمال کرتی —— اور غصہ آیا —— دیوانوں کی طرح جو جی میں وہ بھی بکتے اور مارتے —— خوب مارتے اور پھر ں مکان میں نہ گھستے —— شیلا اکیلی پڑی ی رہتی —— نہ کھاتی نہ پیتی —— کبھی کبھی ی، دن بھر رات بھر —— ہفتوں —— مہینوں سال بھر تک شیلا کی یہ حالت رہی اور پھر ایک انقلاب ہو گیا —— خاوند کے ساتھ کا برتاؤ بالکل بدل گیا —— اب وہ مار نہ کھاتی وہ ملکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی تھی۔ رونے جگہ قہقہے لگاتی تھی، عمدہ اور نفیس کپڑے پہنتی تھی، اچھا کھاتی تھی —— ہر وقت گھر میں پڑے پڑے رہنے کے بجائے ادھر ادھر گھومنا بہتر سمجھتی تھی ں ہیڈ مدرس کے گھر تو کبھی نمبردار کے گھر، کبھی اری کے یہاں تو کبھی زمیندار کے یہاں —— بد ہی دنوں میں وہ گاؤں بھر میں مشہور ہو گئی۔ —— خود اس کے گھر زمیندار اور پٹواری جیسے بڑے سے آدمی آنے لگے —— نائب مدرس نے کہا —— "یہ کیا ہے"؟

"سامان دستبگی" شیلا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"میں یہ برداشت نہیں کر سکتا —— کہ تم دوسر مردوں سے باتیں کرو" ——

"میں غلام نہیں، زر خرید نہیں۔ آزاد ہوں"

"لیکن تم، میری بیوی ہو"

"مگر غلام نہیں"

تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ میری عزت و آبرو خاک میں ملا رہی ہو —— تمہیں سماج کا خوف تک نہیں رہا۔ تم کلنک کا ٹیکا ہو۔ کلنک کا! بدچلن، بیسوا!!

"بس۔ بس! زبان بند کرو۔ عزت کے مرد ہی تنہا مالک نہیں ہیں —— یہ عزت کا تصور تم نے گھڑ رکھا ہے۔ سماج کا خوف دکھا دکھا کر تم نے ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا تم آزاد گھومتے رہے اور ہمیں پنجروں میں بند رکھا تاکہ ہم بھاگ نہ جائیں، اڑ نہ جائیں۔ تمہاری غلامی سے نہ نکل جائیں آزاد نہ ہو جائیں —— ہمیں کلنک کا ٹیکہ کہتے ہو ذرا گریبان میں منہ ڈالکر دیکھو —— کون کلنک کا ٹیکہ ہے —؟ غلام یا غلام بنانے والا —— ہم بدچلن اور بیسوا ہیں تو تمہاری بدولت۔ تم نے بنایا —— بدچلن اور بیسوا۔ تم آزاد رہے اور شکار کرتے رہے اور ہمیں بیسوا بناتے رہے۔ بتاؤ کتنے مرد ایسے ہیں، جو عصمت دری کرنے سے باز رہے ہیں جنہوں نے راستے چلتے ہوئے عورتوں کو مڑ مڑ کر للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا —— جنکی جنسی بھوک نے عورتوں کو مجبور نہیں کیا۔ جنہوں نے ایک ہی پر قناعت کی —— لیکن یہ تمہاری نظروں میں بدچلنی نہیں —— تم آزاد ہو۔ جہاں جی میں آئے جا سکتے ہو —— لیکن عورت ایسا نہیں کر سکتی —— وہ مرد کی ہے ایک مرد کی ہے۔ مرد کے استعمال کی چیز ہے۔ اگر وہ مر جائے تو وہ روتے روتے برا حال کر لیتی ہے ساری عمر بیوگی میں گذارتی ہے، لیکن تم اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتے —— شیلا نے دانت کٹکٹاتے ہوئے یہ سب کہا کہ سر جھٹک کر اس طرح چلدی جیسے نفرت کرتی ہو —— خاوند تصویر حیرت بنا ہوا تھا اور پھر بولا —— تم پاپ ہو۔ مجسم پاپ! تم نے سیتا اور ساوتری کی لاج بھی نہ رکھی —— تم مرد ماتھے پر بدنما داغ ہو —— کلنک کا ٹیکہ ہو —— پرماتما تمہیں فنا کردے بھسم کردے۔"

ماسٹر صاحب ہوش کی بات کرو! سیتا اور ساوتری کی شرم اور لاج تم نے نہیں رہنے دی۔ اسے تم نے لوٹا —— مردوں نے —— مرد ڈاکو ہیں —— ڈاکو! اور اگر ڈاکو نہیں تو عورت بھی ان کی طرح ہے آزاد —— بالکل آزاد —— وہ کسی کی غلام نہیں —— کسی کی جائیداد نہیں کسی کی ملکیت نہیں۔ اب اسے میری طرح میدان میں آ جانا چاہیئے۔ چھپ چھپ کر نہیں بلکہ کھلم کھلا برملا اپنی آزادی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ پرماتما نے ہمیں آزاد پیدا کیا ہے۔ ہم کیوں کسی کے غلام بنیں۔ کیوں کسی کی پابندی میں رہیں کیوں زنجیریں پہنیں —— کیوں دل مسوس کر بیٹھیں —— مجھے کوئی خوف نہیں۔ نہ تمہارا نہ دیگر مردوں کا۔ نہ تمہارے سماج کا۔ میں سماج کے کسی اصول کسی قانون اور کسی پابندی کو نہیں مانتی۔ میں آزاد ہوں، آزاد —— مکمل آزاد لیکن تمہارے نزدیک آزادی کا یہ تصور نہیں تم خود غلام ہو اور دوسروں کو غلام رکھنا چاہتے ہو۔ اسی لیے سوشیلزم اور کمیونزم کے دعوے کرتے ہو۔ اور اس حقیقی آزادی کو، جس پر میں گامزن ہوں حیوانیت اور آوارگی بتلاتے ہو —— مگر یہ مکمل آزادی ہے۔ حقیقی آزادی، جس میں ہر ایک انسان اپنے سیاہ و سفید کا خود مالک ہے۔ وہ کسی سماج کا پابند نہیں۔ کسی کا غلام نہیں جو چاہے کرے۔ جہاں چاہے جائے جو جی میں آئے کھائے۔"

یہ کہتے ہوئے شیلا اندر چلی گئی۔ اور ایک نفیس سی ساڑی پہن کر مکان سے باہر جانے لگی —— خاوند نے کہا —— کہاں جاتی ہو؟ لیکن شیلا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاوند نے پھر پوچھا، دوبارہ، سہ بارہ —— مگر کوئی جواب نہ ملا —— وہ غصے میں اٹھا اور شیلا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

لیکن شیلا —— ناچی شیلا —— جو سماج کے بندھنوں کو توڑ کر، رسم و رواج سے ہٹ کر، گھر سے نکل رہی تھی، عقل و خرد سے کام نہ لیکر نفرت اور جذبات کی رو میں بہہ گئی۔ اندھی ہو گئی اور حقیقی راستہ چھوڑ کر ایسے خطرناک، خار زار اور پتھریلے راستہ پر گامزن ہوئی۔ جہاں، جوشش عصمت الجھا الجھ کر تار تار ہو جاتی ہے، اور جسم پتھروں کی ٹکر سے چور چور ہو جاتا ہے، جہاں انسانیت کا نام و نشان نہیں رہتا، اور وہ ہمیشہ کیلئے مردہ ہو جاتی ہے۔ وہ خاوند کا ہاتھ جھٹک کر اور یہ کہتی ہوئی چلی گئی —— انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ وہ کسی بندھن میں نہیں باندھا جا سکتا وہ آزاد ہے! آزاد ——

دلچسپ معلومات

ہندوستان میں بہت سے دیہات ایسے ہیں جہاں فی مربع میل ایک آدمی آباد ہے اور بہت سے ایسے ہیں جہاں ۲۰۰ کے حساب سے ہیں۔

ہندوستان کا کل رقبہ ۱۸۰۰۹۲۶۵ مربع میل ہے جس میں ۱۰۹۶۱۷۱ مربع میل تقریباً ۶۱ فی صدی برطانوی ہند میں اور ۷۰۰۵۰۰ مربع میل یعنی تقریباً ۳۹ فی صدی دیسی راجاؤں اور نوابوں کے ماتحت ہے۔

ہندوستان میں صرف ۲۵۶ کروڑ زمین قابل کاشت ہے۔ اس طرح ایک آدمی کے حصہ میں ۰.۲ ایکڑ زمین حصہ میں پڑتی ہے۔

بچہ روتے وقت آنسو نہیں بہا سکتا جب تک کہ وہ تین مہینہ کا نہ ہو جائے۔

اگر دور کی چیزیں پہلے سے زیادہ صاف معلوم ہونے لگیں اور کچھ قریب بھی معلوم ہوں تو سمجھ کر تھوڑی دیر میں مینہ ضرور برسنے لگا۔

جگنوؤں کے کیڑوں کی چمک آندھی اور طوفان سے ذرا دیر پہلے بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان میں ایک روشنائی کا پیڑ ہوتا ہے اور اس سے یہ کچھ ایسی چیز ہی سے لیا ہے کہ اگر اس کی ڈال کاٹ کر تختی کر لیں تو وہ فاؤنٹن پن کی طرح لکھ سکتی ہے۔

آدھ سیر روئی سے ۳۰ میل لمبا دھاگا تیار ہوتا ہے

جاڑوں کا موسم تھا۔ اس پر دریا کی سردی ملی ہوئی ہواؤں کے بدمست جھکولے۔ ہم کوشش لپیٹے ہوئے تھے ہاتھ پاؤں مارے ٹھٹھرکے لئے بیٹھا رہا تھا۔ جسم میں خاصی حرارت لانے کو بہت ... انگیٹھی جل رہی تھی۔ دو چار اس کے ارد گرد بیٹھ کر خوش گپیاں اڑا رہے تھے۔ کوئی کشتی ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ کہیں سے بھٹیالی راگ الاپنے کی محویت آفریں اور مست کن صدا آ رہی تھی تو کوئی بیسویں صدی کی رسیلی اور ... تانیں اڑا رہا تھا۔ شیام بھی ان ہی جاذب نظر حسین اور دلکش منظر میں کھویا ہوا تھا کہ بوٹ مالک نے پکار کر کہا۔ بابو جی رات نمبر ڈاک جانا ہے۔ پورٹ کمشنر آفس سے پاس دلوا دیجئے۔ اس نے اس ... لیا۔ اور سات نمبر ڈاک کو روانہ ہو گئے۔ باہر جانے والی جہاز لگی ہوئی تھی۔ مال و اسباب کرین کے ذریعہ پورٹ سے جہاز پر رکھے جانے لگے۔ وہ ان کی گنتی کر رہا تھا۔ یکایک کسی دلخراش آواز نے اسے چونکا دیا۔ ... سے فضا گونج اٹھی۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے۔ سائرن کا نام سنتے ہی اس کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ ہکا بکا سا ہو گیا۔ سکتہ کا عالم چھا گیا اور کاٹو تو خون نہ نکلے بری حالت تھی۔ ہوتی بھی کیوں نہیں اس نے آج تک صرف اس کی تعریف سنی تھی۔ کبھی اس سے دو چار ہونے کا موقع نہ ملا تھا۔ لوگوں کو سراسیمہ بھاگتا دیکھ رہا تھا۔ لیکن اتنی ہمت نہ پڑتی کہ وہ بھی لوگوں کے ساتھ بھاگ نکلے۔ وہ تو البتہ بھلا کرے اس ملاح کا جس نے آ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ بابو جی جان بھاری ہے کیا ہوش میں آیئے۔ اس کی اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ فوراً بادل ناخواستہ پناہ گھر میں پناہ لی۔ گولہ بارود کی بارش شروع ہو گئی۔ آہ و فغاں۔ نالہ و فریاد و آہ و زاری سے فضا گونج اٹھی۔ آسمان پر دھوئیں کی بدلیاں چھا گئیں شور و غل سے آسمان پھٹا جانے لگا۔

خطرہ سے نجات کی گھنٹی بجی۔ بھاگ دوڑ مچ گئی سب لوگ سر پر پیر رکھ کر باہر بھاگنے لگے۔ شیام بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ بھاگ کر باہر نکلا کہ پھر خطرہ کی گھنٹی بجنے لگی۔ پناہ لینے کے لئے دوڑ کر آگے بڑھا بیچ سڑک پر ایک خوشنما گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور غائب تھا۔ اور پچھلے حصے پر ایک لڑکی خون میں لتھی پڑی تھی۔ انسانی ہمدردی نے جوش کیا۔ اس کی بیچارگی پر ترس آیا اور فوراً موٹر ڈرائیو کرتا ہوا نکل گیا۔ اے آر۔ پی والوں نے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن رفتار اتنی تیز تھی کہ رکنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا آن کی آن میں موٹر فراٹے بھرتی اڑ دی۔ آبادی سے دس بارہ میل آگے نکل گئی جب کوئی خطرہ نہ محسوس کرتے ہوئے گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کی۔ گڑھوں سے پانی لا کر اس کے پاؤں دھوئے۔ اور آنچل کا کنارہ اتار کر زخم پر پٹیاں باندھیں۔ پھر اسے پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا۔ وہ ہوش میں آتے ہی ادھر ادھر وحشیانہ تکنے لگی۔ اس نے اسے اطمینان دلایا۔ تسلی دلائی۔ اور واقعات بیان کرنا شروع کئے۔ اس نے سر سے پیر تک اس کی تشکر آمیز نگاہیں ... قدم بوسی کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں اسی شیام کے ... ہوئی تھیں جیسے منزل مقصود یہی ہو۔ ان کا گویا مقصود اسی جگہ ... ہو۔ اس کی ... نگاہیں شیام کو نظر نیچی کرنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ ... فرض سمجھ کر اسے گھر تک چھوڑ آنے کو پتہ دریافت کیا اور جب اس نے بتلائے ہوئے پتہ پر گاڑی ... دروازے سے لگا دی۔ لوگوں نے رونا آتی ... آتے ہی شور و غل سے گھر کو سر پر اٹھا لیا۔ ماں فرط الفت اور خوشی سے کھلی ہوئی آگے بڑھی اور بیٹی کو سینے سے لگا لیا بلائیں لیں منہ چوما صحیح و سلامت آ جانے پر درگاہ ایزدی میں شکرانہ ادا کیا پاؤں کے زخمی ہونے کی وجہ دریافت کی۔ جوں ہی واقعات سنانا شروع کئے کہ شیام کا خیال آ گیا۔ ادھورا ہی چھوڑ کر باپ کے پاس چلی گئی۔ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ موقع پا کر سدا ملنے کہا۔ کیا بہتر ہوتا کہ شیام ڈرائیور کا فرض انجام دیتے۔ ان کے جیسا ہمدرد اور قابل اعتماد شخص اور مل بھی کہاں سکتا ہے۔ باپ نے بسر و چشم منظور کر لیا۔ نہ منظور کرنے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ شیام اپنا فرض بڑے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینے لگا۔ ابھی سر سے ایک ہفتہ بھی نہ گذر پایا تھا کہ سیٹھ صاحب کے نام ٹیلیگرام آ گیا وہ فوراً ہی۔ آر۔ ... الف کیمپ ... کا ٹھیکہ لینے چلے گئے۔ ساتھ ساتھ شیام کو بھی جانا پڑا۔ حالانکہ سدا ماکو اس کا جانا کبھی پسند اور گوارا نہ تھا۔ لیکن باپ کے حکم کے آگے مجبور تھی۔

اس کی امیدوں کا خون ہو گیا تھا۔ تخیلات کے مندر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے تھے۔ دن رات ہر گھڑی اسی کے خیال میں کھوئی کھوئی سی رہنے لگی اور واپسی کے دن گنتی رہتی۔ جاڑے گرمی کی شکل میں بھی تبدیل ہو گیا لیکن ان لوگوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔ آنکھیں فرش راہ تھیں۔ دن رات شیام کی راہ دیکھتی رہتی تھی۔ خیالات کے ہجوم سے نجات پانے کے لئے اور خاص کر غم غلط کرنے کی خاطر رسالہ پڑھ رہی تھی کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ ڈاکیہ تھا ٹیلیگرام لایا تھا۔ ہم لوگ کل گیارہ بجے آ رہے ہیں۔ اس کے دیکھتے ہی سدا ملنے کے چہرہ پر مسرت و انبساط کا ہلکا سا رنگ دوڑ گیا۔ باچھیں کھل گئیں۔ خدا خدا کر کے رات آئی۔ پھر گیارہ بجے اور وہ لوگ گھر آئے ملے جلے باتوں گذر گئے تھے آغوش مسرت آباد تھی۔

گرمیوں کا موسم ... اساڑھ کی گرمی ایسی کہ نو بجے ہی کھلی اور ... موٹر کا لمبا چوڑا سفر جتنی تیز رفتار اتنی ہی زبردست اور نہ تھلنے والے گرم ہواؤں کے جھونکے۔ لوؤں کے تھپیڑے سارے جسم اور چہرے کو نکھیسے دے رہے تھے۔ جلتا بھنتا مین دوپہر کو گھر پہونچا آنکھیں ایسی سرخ تھیں جیسے نہ جانے کتنی شراب پی کر آیا ہو۔ چہرے کا رنگ بھی کچھ کم نہ تھا۔ معلوم ہوتا کہ اب خون ابل پڑے گا۔ سینہ کا یہ عالم کہ کپڑے شرابور اور بہت پسینے ہو رہے تھے پیاس اتنی شدت کی کہ گھڑوں پانی پی جائے۔ لیکن نقصان پہنچنے کے خیال سے ذرا دم لینے کے لئے وہ چارپائی پر لیٹ رہا۔ گرمی سے تپا ہوا اور تھکا ماندہ تھا لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ ابھی مشکل سے پندرہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ سمجھ لیجئے گزرا تھا کہ سدا ما اس کے کمرہ میں آئی۔ چرپر کی کھنکھناہٹ سے اٹھ بیٹھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئی دن رات کی ملاقات سے وہ ایک حد تک عادی ہو چکی تھی۔ بلا کسی پس و پیش۔ کسی جھجک کے بیباکانہ کمرہ میں چلی آتی اور ادھر ادھر کی گپیں کیا کرتی۔ اور گھوم پھر کر اسی موضوع پر چلی آتی۔ جس کا عکس عنوان اس کے دل کی گہرائیوں میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اور گدگدا رہا تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں سب کچھ کہہ جاتی تھی جسے شاید شیام بھی سمجھ گیا تھا۔ لیکن کھلم کھلا اظہار کرنے سے قاصر تھی زبان رک جاتی اور ایک رکاوٹ سی پیدا ہو جاتی آنکھوں میں ایک دھندلکا سا چھا جاتا حجاب دامنگیر ہو جاتا تھا۔ آخر عورت تھی۔ اس کا زیور ہی تو شرم و حیا ہے اس کا اندازہ شرم و حیا۔ طرز گفتگو۔ ہمدردی اور نقل و حرکت اس بات کا غماز تھا کہ اسے کچھ سے محبت ہے۔

آج بھی ٹھیک اسی طرح ہلکی ہلکی باتیں کر رہی تھی چاہتی تھی کہ وہ شے نکال پھینکے جو مدت سے سینہ میں باعث اضطراب ہے جس سے ایک میٹھا میٹھا درد اور کوئی لطیف اور نامعلوم خلش محسوس کر رہی ہے۔ بولتے بولتے بیچ میں رک گئی جیسے کوئی نیا موضوع سوچ رہی ہو۔ آخر نہ رہا گیا تو مجھ سے پوچھنے میں اتنی بکواس کر جاتی ہوں اور آپ خاموش سنتے رہتے ہیں۔ نہ ہاں۔ نہ ہوں۔ نہ کچھ جواب دیتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ سدا ما بولی۔ وجہ کیا ہو گی۔ میں کچھ خاموش واقع ہوا ہوں

شیام ہانپتے ہوئے بولا۔

نہیں ضرور کوئی نہ کوئی پردہ ہم دونوں کے درمیان حائل ہے جو آپ کو خاموش رہنے پر مجبور کر رہا ہے۔

وہ مایوسانہ بولی۔

"مفلسی" وہ بولا۔

کیا مطلب سدا ما حیرت کے ساتھ بولی۔

آپ ایک دولتمند اور ذی وقار باپ کی بیٹی ہیں۔ میں ایک مفلس زدہ اور مجبور غفاری مانہ کا ٹھکرایا ہوا غلام۔ سوسائٹی سے گری ہوئی مخلوق جو عوام کی نظر میں آ رہی کا مسکن بھلا میرا اور آپ کا میل کہاں تک ہو سکتا ہے۔ میں ایک معمولی ڈرائیور اور آپ اس کے مالک کی لڑکی ہیں۔ وہ عاجزانہ بولا۔ فقرے دکھی دل کے آئینہ دار تھے۔

سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن محبت تو ان جھگڑوں سے بے نیاز ہے۔ اس کی آنکھیں نہیں ہوتی۔ اسکے نزدیک امیر و غریب۔ تواںگر و مفلس شاہ و گدا سب ایک نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

ابھی فقرے ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ اتنے میں نوکرانی شیام کو بلانے آئی ابھی ٹھیک سے وہ بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ پھر اسے چند ضروری کاموں سے گاڑی لیکر بازار جانا پڑا۔ سدا ما کے دل پر ساق تو ضرور گذرا لیکن مجبور تھی۔ اس کے باپ کا حکم تھا۔

وقت غنیمت جان کر تلاشی لینے لگی۔ شیام کی ایک تصویر ملی اور ایک اعلیٰ تعلیم کی سارٹیفکیٹ۔ تصویر تو رکھ لی۔ اور سارٹیفکیٹ چھوڑ کر کمرہ کی طرف چلتی بنی۔ پلنگ پر لیٹ گئی اور لگی اسے غور سے دیکھنے کبھی زیر لب تبسم ہوتا ہے شرم و حیا کا ہلکا رنگ چہرہ پر دوڑ جاتا۔ اور کبھی شوخی سے تصویر سے باتیں کرتی۔ سب مل جل کر ایک پر لطف اور حسین سماں پیش کر رہے تھے۔ اسی میں کھوئی ہوئی تھی کہ موٹر کے پوں۔۔۔ پوں کی آواز کانوں میں ٹکرائی دوڑی ہوئی گیرج کی طرف گئی۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا۔ دل مسوس کر رہ گئی جاتی تھی کہ معلوم کرے کہ کہاں گیا تھا۔ اور کس کام سے لیکن اس کے والد سامنے سے آ دھمکے۔ وہ کمرہ میں واپس چلی آئی۔ نوکرانی کو ہدایت کی کہ کھانا جلد شیام کے کمرہ میں پہونچا دے۔

آج ہولی کا دن تھا۔ ہر فرد و بشر خوش خوش نظر آ رہا تھا ڈھولک، ہارمونیم اور رس بھری تانوں کے گانے کی صدا فضا میں گونج رہی تھی۔ پچکاریں چل رہی تھیں۔ کوئی لال۔ کوئی پیلا۔ کہیں سے نارنجی ہرے رنگوں کی پچکاریاں ہر آنے جانے والوں پر چلائی جا رہی تھیں۔ گلی کوچہ رنگا رنگ ہو رہا تھا۔ مرد خوشی سے ناچتا پھر رہا تھا۔ عورتیں چہکتی پھر رہی تھیں۔ ایک نوان کا لطیف۔ جاذب نظر اور مسحور کن حسن و شباب اس پر یہ رنگا رنگ پچکاریاں سونے پر سہاگہ کے مصداق تھے۔ بیشر گلال تو اور بھی حسن و جمال میں چار چاند لگا رہا تھا شیام کے لئے تو سب دن برابر تھے۔ پردیسیوں کی ہولی بھی کیا ہولی۔ وطن سے دور۔ دوست احباب سے بیگانہ، کسی سے بات نہ ملاقات۔ جان نہ پہچان بس وہ ہے اور سامنے کا کام مزہ تو جب ہے کہ دو چار دوست و احباب ہوں۔ آپس میں عبیر و گلال کی بارش ہو رہی ہو۔ جام پر جام چل رہے ہوں۔ بادہ نوشی کا بازار گرم ہو۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ڈگمگاتے اور راہ میں دوشیزاؤں سے چھیڑ کر تے جا رہے ہوں۔ دل و دماغ پر ہولی ہولی چھائی اور اسی کا راگ الاپ رہے ہوں ۔۔۔ اسے کیا خاک لطف ملتا۔ سیدھا گھر کی طرف ہو لیا کہ سدا ما سے بات چیت کرے۔ وہاں بھی جلائے چہل پہل کے خاموشی پائی۔ سدا ما کو موجود نہ پا کر اداس ہو کر سدا ما کو نہ دیکھ کر اس کے دل کو چوٹ سی لگی۔ قدموں کی وہ تیزی جاتی رہی۔ دل کی خوشیاں جاتی رہیں۔ مگر وہ واپس آیا اس کے لئے پہاڑ ہو گیا۔ دل بہلانے کی غرض سے پائیں باغ میں چلا گیا۔ دیکھا سدا ما فوارے کے سامنے والی بنچ پر خاموش بیٹھی ہوئی ہے۔ انگلی دانتوں میں دبائے جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ فوارے کا تبسم نواز اور روح افزا منظر ہوتے ہوئے بھی اس کے چہرہ پر خوشی اور مسکراہٹ کا نام و نشان نہ تھا۔

آج آپ خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ شیام نے پوچھا جواب میں اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موتی نما قطرے رخسار پر ڈھلک گئے۔

اری تم رو رہی ہو: درد مندانہ لہجے میں بولا:

رو دوں نہ تو کیا کروں اپنی ابھاگی قسمت کو رو رہی ہوں۔ کاش میں بھی اپنی سہیلیوں کی طرح ناچتی پھرتی۔ اور عبیر و گلال سے محبت کو اور بھی رنگین بنا سکتی۔ وہ پر درد لہجے میں بولی۔ فقرے دکھی دل کی آئینہ دار تھے۔ یہ سنکر شیام کے دل میں پیار و محبت کا طوفان امنڈ آیا اور بولا۔ تو پہلے میں ہی اپنی طرف سے شروع کروں۔ اجازت ہے سدا ما بڑی دھیمی آواز سے بولی لگائیے نا۔ لیکن شیام نے اسے اپنی محبت کی شان کے خلاف سمجھا پھر دونوں کی آپس میں باتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ شام کا دھندلکا پردہ افق پر لہرانے لگا۔۔

پرندے اپنے اپنے گھونسلے کی طرف ہوئے۔ اور تاریکی بڑھتے بڑھتے رات کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ دونوں دا[illegible] کمرہ کی طرف چلے گئے۔ اسی طرح [illegible] گذرتے رہے۔

مہندر سدا ما کا چچا زاد بھائی کالج سے گرمی کی تعطیل میں کل ہی گھر آیا تھا اس کے رنگین ماحول نے اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ ڈالا تھا۔ سدا ما پر اس کی نظر پڑتے ہی سر پر عشق و محبت کا بھوت سوار ہو گیا۔ ہر دم گھر آنے جانے لگا اور ہر دفعہ ایک نئے وضع کے لباس میں ملبوس رہتا۔ اور نائی اور پینٹ کی [illegible] برا آیا جس سے اس کی محبت میں [illegible] رخنہ اندازی ہوتی وہ خاطر اً ہنسکر بول دیتی تو وہ سمجھتا کہ شاید سدا ما کو اس سے محبت ہو گئی ہے۔ اسی خیال

پروڈیوسر
ایم ہوبے والا
افسانہ
ادیب الفرخان بہادر
حکیم احمد شجاع
منروا اسٹیڈیوز اور پربھات میں بہ انداز شاہانہ
منازل تکمیل طے کر رہا ہے
اسٹینڈرڈ پکچرز کا معرکتہ آرا، گہربار و نغمہ بار تاریخی شاہکار
اکبر اعظم کے اتالیق اعظم کی زندگی کا مرقع
بیرم خاں
ڈائرکٹر
آفتاب صنعت جاگیردار
پردہ سیمیں پہ بیرم خاں ہو کر جلوہ بار بنا عظمت دیرینہ ملت کرے گا آشکار
اداکاران
مشہور استار و ہدایت کار جاگیردار، آہو چشم مہتاب۔ (منروا مووٹون کی نوازش سے) ڈیوڈ۔ مسٹر۔ غلام محمد
یوسف آفندی۔ بنجامن۔ ماسٹر چھوٹو کمار۔ شاہنواز۔ ڈبلیو احمد خاں۔ ستانی دیوی۔
ہنسا واڈکر۔ للیتا پوار وغیرہ
اسٹینڈرڈ پکچرز کارپوریشن جیوتی اسٹوڈیوز کینڈی برج بمبئی ۷
میوزک موسیقار اعظم
مسٹر غلام حیدر
مکالمے
خانبہادر حکیم احمد شجاع
اور کمال امروہوی

زبان و ادب

فنون لطیفہ اور بھوک

(جناب شاہد صدیقی)

ان میں سے ایک شاعر تھا۔ دوسرا مصور اور تیسرا گویا۔ وہ تینوں ایک ہی مکان میں دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ اور مختلف مصروفیتیں رکھنے کے باوجود ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔

شاعر صبح سے شام تک شعر کہتا اور مکان کے قریب جو ایک ویران سا باغ تھا اس میں کسی درخت کے نیچے بیٹھکر اپنی نظمیں گنگنایا کرتا شام کے وقت جب وہ گھر آتا تو اپنے دوستوں کے ساتھ شراب نوشی کا شغل کرتا دو چار جام حلق سے نیچے اتارنے کے بعد وہ بیاض کھولتا۔ اور دوستوں کو اپنے تازہ ترین اشعار سناتا۔ ایسے وقتوں پر ضروری تھا کہ اس کے دوست ان اشعار کی داد پوری فراخ دلی سے دیں۔ اور جھوم جھوم کر اپنے تاثرات کا اظہار کریں۔

مصور دن بھر کنوس کے ٹکڑوں پر برش پھیرتا رہتا اور مختلف رنگوں کے امتزاج سے کبھی ایک پہاڑی کی تصویر کھینچتا اور اس کے پیچھے سورج کو ڈوبتا ہوا دکھاتا۔ کبھی ایک ایسا خاکہ بناتا جس میں کسان بیلوں کی جوڑی کو گھر کی طرف لیجاتا ہوا نظر آتا۔ مصور کو تصویر کشی سے بالکل فرصت نہ ملتی۔ اس لئے وہ کہیں آنے جانے کا بھی عادی نہیں تھا۔ دور دور سے لوگ اس کی تصویریں دیکھنے کے لئے آتے اور اپنی نگاہوں کے دامن میں آرٹ کے چمکدار موتی بھر کر لیجاتے!

گویے کا کام محض یہ تھا کہ ستار لئے ہوئے ایک درخت کے نیچے بیٹھا گاتا رہے۔ اس کی آواز میں بلا کا درد تھا اور جب وہ ستار کے سروں میں اپنی آواز کی پوری لطافت سمو دیتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا ساری فضا طلسم بند کر دی گئی ہے۔ اور کسی ان دیکھے جادوگر نے کائنات کے متحرک ذروں کی رفتار کو [illegible] دیا ہے۔

یہ تینوں بہت خوش تھے۔ اور تمام صناعوں کی طرح زندگی کی مادی قدروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے حکومت کی طرف سے ان کے فن کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ آرٹ فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ادائی کا کوئی معاوضہ ممکن ہے۔ اس عقیدے کی جڑیں ان کی فطرتوں میں بہت دور تک چلی گئی تھیں چنانچہ جب کوئی شخص شاعر سے کہتا کہ وہ اس کے یہاں آکر اپنی نظمیں سنائے اور اس کا معاوضہ حاصل کرے تو شاعر کو بہت ناگوار گزرتا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو جاتیں۔ شاعر کی یہ توہین اس کے لئے ناقابل برداشت تھیں وہ نہایت سختی سے انکار کر دیتا اور پھر اپنے تازہ مطلع کی ردیف کو مضبوط کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ اسی طرح جب کوئی دولت مند مصور سے کوئی تصویر خریدنا چاہتا اور معاملے کی بات کرتا تو وہ برش کے دستے سے اپنا سر کھجانے لگتا۔ گویا فن کی یہ پستی اسے بہت بری معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے کسی شاہکار کو فروخت کرنے پر تیار نہیں ہے گویے کی بھی یہی حالت تھی بلکہ وہ ہر وقت گاتا رہتا لیکن جب موسیقی سے ذوق رکھنے والے لوگ اسے دعوت دینے کے لئے آتے اور رقم کے لالچ دیتے تو اس کی آواز بدل جاتی۔ وہ ستار کے تاروں پر زور زور سے انگلیاں پھیرنے لگتا اور ایک ایسے لہجے میں انکار کرتا جس سے اس کی ... نفرت کا اظہار مخاطب پر اچھی طرح ہو جاتا۔

کچھ دن کے بعد حالات بدل گئے اور حکومت کا صدر ایک ایسا شخص بنا جسے فنون لطیفہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے ان تینوں فن کاروں کا وظیفہ بند کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ جو رقم ان لوگوں پر صرف ہوتی ہے اسے جمع کر کے جنسی امراض کا انسداد کرنے کے لئے ایک ہسپتال قائم کیا جاسکتا ہے۔ نئے صدر نے دوسرے ارکان حکومت پر ثابت کر دیا کہ شاعری مصوری اور موسیقی کی قدر کرنے کے مقابلے میں کسی اور کام کی روک تھام زیادہ ضروری ہے۔ سب لوگ اس سے متفق ہوئے اور تینوں کو وظیفہ کے بند ہونے کی باقاعدہ اطلاع دے دی گئی۔

اس حکم کے کچھ دن بعد جب شاعر مصیبت میں گرفتار تینوں نے کپڑے بھی بیچ کر کھالئے اور ان کی آنتیں پوری شدت کے ساتھ غذا کا مطالبہ کر رہی تھیں ایک دولت مند شخص ان کے یہاں آیا۔ اس نے ان تینوں کی بڑی شہرت سنی تھی وہ چاہتا تھا کہ گویے کو اپنی محفلوں میں زندگی اور مستی پیدا کرتے ہوئے دیکھے مصور کی تصویریں اپنے آراستہ کمروں میں لگائے۔ اور شاعر سے اس کا کلام سنے۔ جب یہ شخص ان لوگوں کے مکان میں داخل ہوا۔ اس وقت شاعر بھوک کی وجہ سے سخت پریشان اور نڈھال تھا۔ کئی مطلعے اس کے ذہن میں آکر غائب ہو چکے تھے اور اکثر ردیفوں نے قافیوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور اکثر وہ اپنی بیاض سینے پر رکھے ان تمام شاعروں کو یاد کرتا تھا جن کی زندگیاں افلاس اور فاقہ کشی میں کٹیں تاکہ ان کے تصور سے کچھ قوت حاصل کرے لیکن ایسا ممکن نہ تھا معدہ نے بزرگوں کی سوانح عمریوں پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا اور شاعر کو بری طرح ستا رہا تھا۔ مصور کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کے رنگوں کی پیالیاں خشک ہو چکی تھیں۔ برش ایک آسنے میں پڑا ہوا تھا۔ اور وہ کنوس کے ٹکڑے پر نظریں جمائے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کاش یہ روٹی کا ٹکڑا ہوتا۔ گویے میں ابھی کچھ ہمت باقی تھی اس کے ستار سے اب تک نغمے نکل رہے تھے اور گو ان نغموں کا زیر و بم نزع کی ہچکیوں سے بہت ملتا تھا۔ تاہم گویے کی صورت دیکھکر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کے معدہ کی خواہش نے ذہن کو بالکل ہی مغلوب کر لیا ہے۔

دولتمند آدمی نے ان تینوں کے سامنے اپنی خواہش پیش کی۔ وہ ان لوگوں کے خیالات سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ اور اسے امید تھی کہ ملک کے یہ بڑے بڑے فنکار اس کی آرزو پوری کریں گے۔ پھر بھی اس نے جرأت کر کے تینوں کے سامنے گراں قدر معاوضوں کا وعدہ کیا اور ہر طرح قدر افزائی کا یقین دلایا۔ شاعر مصور گویا۔ تینوں ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ فنون لطیفہ کو فروخت کرنے کے متعلق ان کے عقیدوں کی جڑیں ہل چکی ہیں اور یہ سب اپنے سابقہ مقام سے ہٹ گئے تھے۔ کوئی کم کوئی زیادہ۔ چنانچہ جب اس شخص نے اصرار کیا تو گویا ستار کو ایک جانب رکھتے ہوئے بولا۔

"مگر آرٹ بیچا نہیں جاسکتا سیٹھ جی!"

قریب تھا کہ مصور بھی گویے کی اس وضعداری اور فن پرستی سے مرعوب ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملادے اس مقصد کے لئے اس کے ہونٹ ہلنے ہی والے تھے کہ یکایک شاعر اپنی بیاض کو دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے بولا۔

"چپ الّو کے پٹھے ہم بھوکے ہیں ہمیں پہلے روٹی چاہیئے [illegible] آدمی کے پیچھے [illegible]"

(اقتباس)

قطعہ

[illegible]

غالب

نگار دہلی
۱۸
۱۶ اگست ۱۹۴۵ء
تان سین کی ہر دلعزیز ملکہ خورشید
پکار کے شہرت یافتہ چندر موہن
یہ دونوں شہرت یافتہ اداکار پہلی بار مغل بادشاہ شاہجہاں کی محبوب ترین ملکہ ممتاز محل میں جلوہ گر ہو رہے ہیں
شہرت موہن لوٹن کا انقلابی شاہکار
ممتاز محل
ڈائرکٹر
کیدار شرما
ستارے
چندر موہن : ملکہ ترنم خورشید
جگت ٹاکیز دہلی کا آئندہ پروگرام
شائقین کے بے پناہ ہجوم کے سامنے جلد پیش کیا جانے والا ہے
دہلی ٹاکیز بیورو۔ دہلی. لاہور. کراچی
وہ تصویر جو ۱۹۴۵ء میں
فلمی دنیا کی ترقیوں کا نشان منزل ثابت ہوگی
وینس پکچرز کی نغمہ بار پیشکش
پھر بھی اپنا ہے
ڈائرکٹر
راجہ نینے
نلنی جیونت ★ جگدیش سیٹھی ★ وسنت ٹھکلڈی ★ ہریش بنرجی ★ ارن دیوان ★ بےبی شکنتلا ★
سروج بروکر ★ سالنی دیوی
تمام دنیا کے حقوق کیلئے:- جیوتی اسٹوڈیو کینڈی برج بمبئی ۷

ہند پکچرز کی غیر فانی پیشکش
ڈائرکشن
نیّر اور نذیر
گانے
تنویر نقوی
محبت کی سب سے بڑی داستان
موسیقی
گوبند رام
آرٹ ڈائرکٹر
ایم اسمعیل
وہ عظیم الشان تصویر جس نے بمبئی میں کامیابی کے تمام
سابقہ ریکارڈ مات کر دیئے
لیلیٰ مجنوں
ادا کاران
اسمعیل
سورن لتا
کوپ نذیر
راج رانی
حسن بین
شہر آنتیا
مجید
انکے ساتھ مزید نئے آرٹسٹ
رشیدہ۔ رشید
حمیدہ۔ حفیظ
این بسیر
ایجنٹ برائے پنجاب و سرحد:- ملک ٹاکیز ڈسٹری بیوٹرز میکلوڈ روڈ لاہور
ہند پکچرز ۱۲۶ مین روڈ بمبئی

وکرمادتیہ کی دہلی میں شاندار کامیابی

زمانہ شجاعت کا ایک زریں باب

پرکاش پکچرز کا ناقابل فراموش عطیہ وکرمادتیہ جس کو شائقین بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے تھے ریلیز دہلی پلیس کر دیا گیا۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ تصویر قابل داد ہے اس تصویر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندو شجاعت کتنے عروج پر تھی اور گپت بادشاہوں کا انصاف کیا حال تھا۔ وکرمادتیہ کی عدل حکومت کی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں غیر فانی ہے یہ انمول تھا۔

شروع سے آخر تک اصلاحات سے بھرپور ہے اس کے اندر کوئی بیہودہ یا فحش عریاں اداکاری نہیں ہے ہم بغیر کسی جھجک کے اس کو سال رواں کی اصلاحی تصویر کہہ سکتے ہیں۔

ہم پرکاش پکچرز کی اس قابل قدر پیش کش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور آئندہ بھی ایسی اصلاحی فلموں کی امید رکھتے ہیں۔ موسیقی اور مکالمہ بہت شاندار ہیں اداکاروں میں پرتھوی راج۔ پریم ادیب۔ سادھنا دیوی قابل ذکر ہیں۔

"پھر بھی اپنا ہے"

دلیپ پکچرز کے زیر اہتمام اسٹریٹ ہولیا ایفل وحشتہ ساز کی بہترین تصویر "پھر بھی اپنا ہے" ڈائرکٹر رام نینف ہر مکمل طریقے سے ایک اصلاحی تصویر ثابت کرنے کی کوشش میں بہت مصروف ہیں۔

موسیقی سے متعلق صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہندوستان کے موسیقار اور شہرت یافتہ مسٹر رام چندر پال پھر بھی اپنا ہے پورے آرٹ کو بروئے کار لا رہے ہیں اداکارہ کے جوہر دکھانے کے لئے حورچہرہ فلمی عورت جگدیش سیٹھی، کرپی دیوان۔ وسنت ٹھینگڑی، پرشی بنرجی، سرونت دورکر اور سید احمد وغیرہ خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔

زیب قریشی کی بہن کو طلاق

بمبئی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں یہ افواہ نہایت تیزی سے پھیلی ہوئی ہے کہ مشہور ریڈیو اسٹار زیب قریشی کی بہن مس قریشی سے حال ہی میں ڈائرکٹر ظہور راجہ نے شادی کی تھی مس قریشی مغربی تہذیب و تمدن کی بہت دلدادہ ہیں اس سے پیشتر کہ اس نئے جوڑے کی خبر اخبارات میں شائع ہوں اور دوستوں اور عزیزوں سے مبارکبادی کے پیغامات موصول ہوتے مس قریشی کی ظہور راجہ سے نہ بن سکی اور وہ ایک ہی ہفتہ میں اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی آئی۔

ولی صاحب پھر اسٹیج پر!

معلوم ہوا ہے کہ ممتاز شانتی کے شوہر مسٹر ولی کا رجحان پھر تھیٹر کی لائن کی طرف ہو گیا ہے چنانچہ بمبئی میں انھوں نے آغا حشر ناٹک سماج سے انھوں نے ایک ڈرامٹک کمپنی قائم کرلی ہے اس کمپنی کا پہلا کھیل پنجابی زبان میں اسیرا یا لکھا ہوگا۔ ممکن ہے ممتاز شانتی بھی اس کھیل میں حصہ لے۔

ڈائرکٹر برکت مہرہ پردھان پکچر میں

پردھان پکچرز کی ایک خبر مظہر ہے کہ ڈائرکٹر برکت مہرہ شوری پکچرز کو خیرباد کہہ کر پردھان پکچر میں پھر شامل ہو گئے ہیں ان کے ساتھ ہی شوری پکچرز کے اور بہت سے کارکن بھی علیحدہ ہو گئے ہیں علیحدگی کی وجہ کمپنی میں پارٹی بازی بیان کی جاتی ہے۔

خورشید اور چندولال میں صلح

معلوم ہوا ہے کہ عرصہ سے اداکار خورشید اور رنجیت موویٹون کے مالک مسٹر چندولال شاہ میں کچھ رنجشیں پڑ گئی تھیں ایک تازہ اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ اب ان دونوں میں صلح ہو گئی ہے اور خورشید دوبارہ رنجیت ہی میں کام کریگی۔

"نیک پروین"

ڈی آر ڈی پروڈکشنز کی تیسری تصویر نیک پروین کو فلم آئینہ کے شہرت یافتہ ڈائرکٹر مسٹر ایس ایم یوسف انتہائی محنت سے تیار کر رہے ہیں۔ اگرچہ مسٹر یوسف فلمی دنیا کے سب سے کم عمر ڈائرکٹر ہیں مگر انھیں محنت و کامیابی سے کام کرنے پر فخر کرنا چاہیئے۔ امید ہے۔ نیک پروین اپنے اچھوتے پن کی وجہ سے بے مثل تصویر ثابت ہوگی

ازدواجی محبت کا
حسین مرقع
ایک ایسی ناقابل فراموش پیش کش
جس کا ہر منظر ہر مکالمہ ہر حادثہ
حسن اور فن کا دل آویز نقش ہے
فضلی برادران لمیٹڈ کی غیر فانی پیش کش
عصمت
ڈائرکٹر
ایس فضلی
اداکاران
مہتاب۔ نرگس۔ تندریکر۔ بدھواڈوانی۔ عباس
غوری۔ شریف۔ ارشاد۔
لمنگٹن بمبئی میں کامیابی کی منزلیں طے کر رہی ہے
چار زبردست نام
نقاش فطرت
سید فضل حسنین
وہ صاحب دماغ شخصیت جس نے قیدی، معصوم اور
اور فیشن جیسی غیر فانی تصاویر پیش کیں
کا
زیر تکمیل شاہکار
دل
جس میں نورجہاں جلوہ گر ہو رہی ہے
یاد رہے
اس کے ہدایت کار سید فضل حسنین ہیں!
یہ فضلی برادران
کی پیش کش ہے
جاری کردہ:۔ فضلی برادران رتن ولا وسنٹ اسکلیر دادر بمبئی

درگا موٹا امریکہ جانے کی فکر میں

۷۵ پاؤنڈ وزنی پنچولی فلم اسٹار درگا موٹا نے امریکہ جانے کے لئے پاسپورٹ کی درخواست کی ہے آج کل درگا موٹا انگریزی پڑھنے میں بہت مصروف ہیں انھوں نے ۱۵۰ روپیہ ماہوار تنخواہ پر ایک ماسٹر انگریزی سیکھنے کے لئے رکھا ہے اور انھیں امید ہے کہ وہ تین ماہ کے عرصہ میں انگریزی بولنا سیکھ لیں گے۔

درگا موٹا آج کل پنچولی فلموں "کیسے کہوں" ڈائرکٹ کردہ موتی گڈوانی اور "پگڈنڈی" جس کے خاں [illegible] کے شہرت یافتہ مسٹر رام [illegible] میں کام کر رہے ہیں۔ انھیں امید ہے [illegible] اکتوبر کے آخیر تک اس کام سے فارغ ہو [illegible] امریکہ روانہ ہو جائیں گے۔

[illegible] درگا موٹا کو یہ یقین دلایا ہے [illegible] بڑی [illegible] احترام کے ساتھ [illegible] جائے گا۔ اور وہ اس معاملہ پر امریکن سٹوڈیوز کے ساتھ خط و کتابت بھی کر رہے ہیں ادھیہ توقع رکھتے ہیں کہ دو ماہ کے اندر اندر انھیں اس بات کا صحیح جواب مل جائے گا۔ درگا موٹا کی اب یہ کوشش ہے کہ وہ اس عرصہ میں امریکہ سفر کے لئے ہر ممکن طور پر آراستہ پیراستہ ہو جا اور اس کے لئے انھوں نے ساز و سامان بھی مہیا کرنا شروع کر دیا ہے۔ درگا موٹا کو یہ یقین ہے کہ مقامی سپلائی آفیسروں کی مہربانی سے وہ اپنی تمام ضروریات مہیا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

کہ پنچولی فلم اسٹار راگنی نے بمبئی روانہ ہونے سے پہلے بیس ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پا رہی تھی۔ پانچ سال ہوئے لاہور میں ایک سو روپیہ ماہوار پر کام شروع کیا تھا۔

کہ درگا موٹا جنکو بالی ووڈ آنے کی دعوت دی گئی ہے لاہور کے ایک چھاپہ خانہ میں ۶۰ روپیہ ماہوار تنخواہ پر نوکری کرتے تھے جبکہ دلسکھ پنچولی نے انھیں ایک مزاحیہ فلم اسٹار بنا دیا۔

کہ سیٹھ دلسکھ پنچولی بڑے شاندار خاکے کھینچتے ہیں اور تمام پنچولی فلموں کے سیٹوں کے ڈیزائن تیار کرتے ہیں۔

کہ ۲۵۰ پاؤنڈ وزنی درگا موٹا (جن کی موجودہ عمرہ ۳ سال ہے بیس سال کی عمر میں صرف ایک سو چالیس پاؤنڈ وزن رکھتے تھے اور جموں کے ایک اچھے پہلوان مانے جاتے تھے۔

"کیسے کہوں"

ڈائرکٹر موتی گڈوانی نے ایک ہفتہ کی دن رات سر توڑ کوشش کے بعد پنچولی آرٹ پکچرز کے لئے اپنی تیسری فلم "کیسے کہوں" مکمل کر لی ہے۔ "یملا جٹ" اور "خزانچی" پہلی دو فلمیں تھیں جو موتی گڈوانی نے پنچولی آرٹ پکچرز کے لئے تیار کی تھیں۔ اور وہ دونوں ہی نہایت کامیاب ہوئی تھیں۔ فلم یملا جٹ پنجابی زبان میں تھی اور خزانچی ہندی میں فلم خزانچی کو ہندوستان بھر میں سلور جوبلی منانے کا فخر حاصل ہوا اور بمبئی میں تو یہ پکچر لگاتار ایک سال چلتی رہی یہ پہلی ہندوستانی فلم تھی جس نے ایسا شاندار ریکارڈ قائم کیا۔

کیسے کہوں کی کہانی سیٹھ دلسکھ پنچولی کے [illegible] قلم کا نتیجہ ہے [illegible] اس وقت تک ان کے تمام کے تمام [illegible] نے خراج تحسین حاصل کرتے [illegible] ہے۔

"کیسے کہوں" محبت رومان [illegible] سادہ [illegible] دلدادگی، فرض کے جذبات سے ملا جلا ایک دلچسپ داستان ہے۔ یہ حیرت انگیز کہانی [illegible] خوبصورت ہے۔ اور موتی گڈوانی کی ماہرانہ ڈائرکشن نے اسکو دلیری اور بلندی بخشی ہے پھر یہ ایک انتہائی ہی شاندار فلم بنا دیا ہے۔ اس فلم کے تمام کے تمام اداکار [illegible] مشہور فلمی ستارے ہیں۔ مجھانی جاگیردار اور راگنی کے علاوہ اس میں اختری بیگم کمیین، کریکٹر ایکٹر ایم۔ اسمٰعیل۔ جی۔ این بٹ، پران اور درگا موٹا جیسے مشہور پنچولی فلم اسٹار جلوہ گر ہیں۔ اس کے مناظر پہاڑوں کی وادیوں میں فلمائے گئے ہیں۔ اور اسکی فوٹو گرافی جس کے انچارج مسٹر [illegible] اپنی طرز میں نہایت ہی اعلیٰ پایہ کی ہے جسکو دیکھ کر فلمی پرستار سے عش عش کر اٹھیں گے۔

"دھمکی" میں تاخیر

بنگال کی چلبلی دوشیزہ سمرتی کی علالت کی وجہ سے پنچولی سٹوڈیو میں پروڈیوسر امتیاز علی تاج کی فلم "دھمکی" کی فلمبندی کچھ عرصہ کے لئے رک گئی ہے راگنی۔ الناصر۔ سمرتی۔ کریکٹر ایکٹر ایم اسمٰعیل جی این بٹ پنچولی کی نئی معلوم "دلو" اور رام زائل دیو کی فلم "واسی" کے شہرت یافتہ مسٹر رام پرکاش "دھمکی" کے اداکار [illegible] خصوصی ہیں۔ اس فلم کی ڈائرکشن مسٹر ریوند ربے کر رہے ہیں۔ اس کے گانے مدھوکر نے لکھے ہیں اور اس کے میوزک ڈائرکٹر پنڈت امرناتھ ہیں۔

مسٹر شنکر مہتہ "بہار" بنا رہے ہیں

چھ کامیاب شاہکاروں کے ڈائرکٹر مسٹر شنکر مہتہ اب سی۔ آر۔ کولانی چترا پروڈکشنز میں شامل ہو گئے ہیں۔ شنکر مہتہ کمپنی کے لئے جو فلم ڈائرکٹ کر رہے ہیں اس کا نام "بہار" ہوگا۔ "بہار" کی کاسٹ بالکل نئی ہے۔ اسکی کہانی۔ مکالمے اور گانے مدھوکر نے لکھے ہیں۔ اس کے میوزک ڈائرکٹر پنچھی رام ہونگے اور پنچولی کے تمام کامیاب شاہکاروں کو فلمانے والے مسٹر لکشم۔ اپنی مبلوترہ فوٹو گرافی کے انچارج ہونگے

سنرائز پکچرز کا "گھر" مکمل ہو گیا

سنرائز کے ڈائرکٹر "گھر" تیار کر چکے ہیں جس کی آدھی سے زیادہ شوٹنگ کلکتہ میں کی گئی ہے۔ کیونکہ وہاں نواب چھتا۔ اور جلتار رہتے ہیں۔ کسی وجہ سے ان تینوں کا آنا بمبئی نہ ہو سکا۔ تو ڈائرکٹر ویاس ان تینوں کے کرداروں کو فلمانے خود کلکتہ گئے تھے۔ علاوہ ان اداکاروں کے یعقوب۔ مرزا مشرف۔ اور کلیانی نے بھی ویاس کے "گھر" کو تیار کرنے [illegible] ہے۔ معلوم ہوا ہے [illegible] سس کر رہا ہے۔

"پہچان"

[illegible] نیو انگیز لینڈ کے لئے [illegible] نام [illegible] جو [illegible] کے علاوہ اوزین ماپا بنری [illegible] اور اجلی رائے۔ برما [illegible] کام کر رہے [illegible] پہچان کی موسیقی کمل داس گپتا تیار کر رہے ہیں۔

بمبئی میں "ہمایوں" کی مقبولیت

بمبئی سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بمبئی کی عوام "ہمایوں" کو بہت پسند کر رہے ہیں اور اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ہر ہفتہ پہلے ہفتہ سے زیادہ شاندار گزرتا ہے۔ ہر شو میں سینما پر ہاؤس فل کا بورڈ نظر آتا ہے۔ توقع ہے کہ شمالی ہند میں بھی "ہمایوں" کو پبلک اسی طرح پسند کریگی جس طرح بمبئی کی پبلک کر رہی ہے۔

سیٹھ دلسکھ پنچولی کی "دلو" میں

سیٹھ دلسکھ پنچولی نے اپنی نئی معلوم "دلو" کو فلم "بیرم خاں" میں مجھانی جاگیردار کے مقابلے میں جو کہ بیرم خاں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں اکبر پارٹ ادا کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ یہ فلم مجھانی جاگیردار اسٹینڈرڈ پکچرز کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

دلو آج کل روندر دبے کی ڈائرکٹ کردہ پروڈیوسر امتیاز علی تاج کی فلم "دھمکی" میں [illegible] پارٹ ادا کر رہے ہیں۔

کاردار اعظم
کا
انقلاب آگین اعلان
دھوک
نغمے
موسیقی
نوشاد علی
ڈائرکٹر
کاردار اعظم
سنیاسی
اداکاران۔ شمیم * غلام محمد * نسیم جونیئر * حسن دین * امر * مصرا * وغیرہ
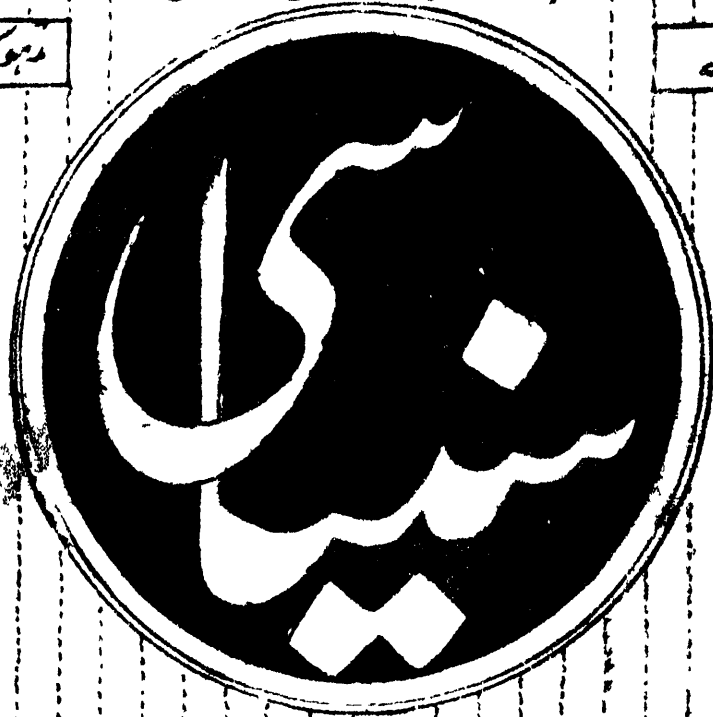
بیگم پارہ فلم شالیمار میں

فلم وکرمادتیہ کا ایک سین

فلم وکرمادتیہ کا ایک منظر

فلم پلا ایک دلکش سین

نور جہاں دیہاتی لڑکی میں

وکرما دتیہ کا دربار۔

پرتھوی راج وکرمادتیہ کے اور پریم ادیب کالیداس کے بھیس میں

وشنو پنت اونڈھی
دیہاتی لڑکی میں

Printed and Published by Abdulla Shamim at Jamal Press, Cover Printed at the Ienty Press, Delhi.
Editor ABDULLA SHAMIM